

أَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِي عَلَيْهِ سَجْدَةُ نَبِيِّ الْحَدِيثِ

الْبَيْتِ لَيْسَ دِي زَارِ حَمَانِ مُدَاوِلَتِ
يُرَدُّ نَامُوسِ دِينَ مُصْطَفَى اسْتِ

فَلَا يَأْتِي حَيْثُ تَبْعُوتُ كَاتِبُ حَمَانِ

الْعَاقِبُ سَمَاهِي لَا هُوَ

مَيْسَرَاتُ نَادِي الْجَمْعَةِ ١٣٢٩ هـ
أكتوبر تا دسمبر ٢٠٠٨ء

حَمْدٌ عَلَى مَا فَضَّلَ خَلْقَ مُحَمَّدٍ رِضْوَى

مَرْثِي

علماء و مشائخ اہلسنت

کما سے ماہی العاقب بر اظہار اعتماد و پسندیدگی

سہ ماہی العاقب کی نگران اور انتظامی کمیٹی ان تمام علماء کرام و مشائخ عظام کا تہہ دل سے مشکور جنہوں نے وقتاً فوقتاً ”سہ ماہی العاقب“ کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوئے اپنے مفید مشوروں و دعاؤں سے سرفراز فرمایا ہے ان میں سرفہرست • تمیز محدث اعظم پاکستان مولانا ابوداؤد صادق • پیڑمین رویت ہلال کمیٹی و تنظیم المدارس پاکستان مفتی نیب الرحمن ہزاروی • شیخ الحدیث مولانا حافظ عبدالستار سعیدی • صدر مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ مولانا منشاء تابش قصوری • منہا اسلام مجاہد اہلسنت پیر سید محمد عرفان شاہ مشہدی • ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس و جامعہ نعیمیہ لاہور مولانا ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی • جگر گوشہ مفتی اعظم پاکستان علامہ عبدالمصطفیٰ ہزاروی • شیخ الحدیث مفتی صدیق ہزاروی • محقق اہلسنت مفتی محمد علیم الدین نقشبندی • مجاہد اہلسنت، ناظم اعلیٰ جامعہ رسول شیرازیہ مولانا صاحبزادہ رضائے مصطفیٰ • شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر فضل حنان سعیدی • شیخ الحدیث سابق مفتی حکومت آزاد کشمیر مفتی گل احمد خاں عتیقی • ادیب شہیر پیرزادہ مولانا اقبال احمد فاروق • شیخ الحدیث مفتی جمیل احمد نعیمی • شیخ الحدیث مولانا غلام نصیر الدین نصیر • شیخ القرآن مفتی علی احمد سندھیلو • ڈسٹرکٹ خطیب مولانا قاری عارف سیالوی • صدر مسلم لیگ (ن) سرحد پیر صابر شاہ ہیں۔

اللہ رب العزت خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کے طفیل ان تمام حضرات کو دارین کی سعادت نصیب فرمائے۔
(آمین بجاہ (نسبی) (الکریم) (میدانی))

مولانا غلام و بشیر قصوری	مولانا سید کفایت علی کافی	مولانا احمد اللہ شاہ بدراسی	مولانا فضل الرحمن آبادی
پیر خواجہ محمد سلطان عالم	پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی	امام احمد رضا خان بریلوی	مولانا فضل احمد لدھیانوی
مولانا نواب الدین رمداسی	علامہ خواجہ ضیاء الدین سیالوی	علامہ انوار اللہ چشتی	مولانا احمد علی شاہ
غازی علم الدین شہید	علامہ ڈاکٹر محمد اقبال	پروفیسر محمد الیاس برنی	مولانا سید احمد قاضی قادری
مولانا عبدالجبار بدایونی	علامہ سید محمد جلال الدین شاہ	مولانا ابوالحسنات قادری	مولانا اکرم الدین دہ
علامہ سید محمود احمد رضوی	مولانا عبدالستار خان نیازی	علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی	مولانا سید احمد نورانی صدیقی
غازی عامر چیمہ شہید	صوفی ایاز خان نیازی	مولانا سید خلیل احمد قادری	مولانا محمد عبدالقیوم ہزاروی
		مفتی محمد امین قادری	

اَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ بَيٌّ
كَاتِبَانِ

سہ ماہی
الْعَاقِبُ

نگران

حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی

مدیر

محمد وحید نور

مجلس منتظمہ

ظہیر عباس

ظہور بشیر

چودھری عمران اسلم

قیمت 30 روپے

جلد

1

شمارگان تا ذی الحجۃ ۱۴۲۹ھ
اکتوبر تا دسمبر 2008ء

شمارہ

3

فہرست

4

اداریہ

مدیر

8

کھل نہیں سکتی ہیں آنکھیں میری

قدرت اللہ شہاب

16

دینی القابات و خطابات کا بے جا استعمال

پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی

25

گیٹ آؤٹ طالبان

حامد میر

32

اسلام کی ترجیحی بنیادیں و مفاہمت یا جہاد

مولانا عبدالحمید نعمانی

27

جانے کس جرم کی پائی ہے سزا

حافظ شکیل انور بیگ

45

ڈاکٹر عامر لیاقت مجاہد ختم نبوت

محمد وحید نور

44

دنیا کی ایک عظیم ضرورت جہاد ہے

ڈاکٹر جوہر میاں شفیع آبادی

52

ننکانہ شیشخو پورہ میں قادیانیت گردی

سید رمیز الدین

48

ڈنمارک.... حرامستان

ڈاکٹر عامر لیاقت حسین

57

قادیانیت نوازی کا انجام

اعجاز احمد

64

آصف علی زرداری کون؟

وسعت اللہ خان

68

اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

امیر الاسلام ہاشمی

70

جاگ سنی جاگ

علامہ پیر سید محمد عرفان شاہ مشہدی

90

تحریک ختم نبوت 1953ء

مولانا سید ابوالحسنات قادری

96

انٹرویو

علامہ حافظ خادم حسین رضوی

125

بیوہ عورت

علامہ ارشد القادری

130

دارالافتاء

علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی

134

خطوط

مدیر

136

بزم اطفال

مدیر

نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔



اداریہ

چلا گیا وہ شخص جسے زعم جدائی تھا

کمال اتاترک کے نام لیوا اور ہسکی وکتوں کے شوقین جناب پرویز مشرف 8 سال 10 ماہ اور 6 دن کی حکمرانی کے بعد سیاسی جماعتوں کے آخری مکے کا شکار ہو کر منصب صدارت سے مستعفی ہو گئے۔ جناب پرویز کے قوم سے آخری خطاب میں لڑکھڑاتی زبان، چہرے پر تباہی، آنکھوں میں نمی اور جھکی گردن نے ان کی کہانی بیان کر دی ہے۔ وہ کہانی جس نے ”دور پرویز“ کے 9 سالوں کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

اس کہانی کا مختصر خاکہ پیش خدمت ہے کہ 12 اکتوبر 1999ء کو پرویز مشرف نے منتخب حکومت پر شب خون مار کر اقتدار پر قبضہ کیا اور 16 اکتوبر کو ملک بھر میں پی سی او (P.C.O) نافذ کر دیا۔ 2000ء میں منتخب صدر مملکت ”رفیق تارڑ“ کو ان کے عہدے سے برطرف ہونے پر مجبور کر کے خود ”منصب صدارت“ پر قابض ہو گئے۔ نائن الیون کے امریکی ڈرامے میں پرویز مشرف نے ولن کا کردار ادا کرتے ہوئے پاکستان کو گروہ رکھ دیا اور ان گنت بے گناہ پاکستانیوں کو امریکہ کے حوالے کیا۔ ”سب سے پہلے پاکستان“ کا کھوکھلا نعرہ لگاتے ہوئے شریں پسند غیر ملکی قوتوں کو ملک عزیز پاکستان میں عام داخلے کی اجازت دی اور ملکی سالمیت کو داؤ پر لگا دیا۔

لاد بالوں کو نوازنے کے لیے تو بین رسالت پر سزائے موت کی سزا کو ختم کرنے اور پاسپورٹ کے لیے ہسٹری کا خاتمہ کرنے کی ناپاک و ناکام کوشش کی گئی۔ اسلامی تعلیمات اور شعائر اسلامی کا برسر عام مذاق اڑایا گیا۔ مساجد و مدارس کو ہدف تنقید بنایا۔ نصاب تعلیم سے آیات جہاد کو نکلوایا گیا۔ فحاشی کو فروغ دینے کے لیے نام نہاد حقوق نسواں بل کو لایا گیا۔ پاکستان میں ہندو و انہ کلچر کو فروغ دینے کے لیے اہلسنت اور مغربی کلچر و فحاشی کو فروغ دینے کے لیے میراتھن ریس کو سرکاری سطح پر منایا گیا۔ الغرض و نائب مشرف نے مذہبی طور پر ہر وہ طریقہ اپنانے سے بالکل گریز نہیں کیا گیا جس سے اس کے مغربی آقا طوش نہ ہوں۔ اسی عمل کی ایک کڑی ”روشن خیال اسلام“ کا ڈھنڈورا تھا۔

محسن پاکستان، بانی اسلامک ایٹم بم ڈاکٹر عبدالقدیر خاں پر ناجائز و بے جا پابندیاں لگائی گئیں۔ بلوچستان میں ان گنت بلوچی بھائیوں کو غدار اور ملک دشمن قرار دے کر موت کی نیند سلا یا گیا۔ بلوچی سردار نواب اکبر بگٹی کے خون سے ہاتھ سرخ کیے گئے۔ عدلیہ اور میڈیا پر شب خون مارا گیا۔ وفاقی دار الحکومت میں مساجد کو شہید کیا گیا۔ لال مسجد و جامعہ حفصہ میں بچوں اور بچیوں کو فاسفورس بموں کے ذریعہ زندہ جلا دیا گیا۔ وزیرستان، سوات، وانا، باجوڑ اور فاناتا میں عوام اور فوج کو باہم دست و گریبان کیا گیا۔ ملک عزیز کے قیمتی اثاثوں کو اوانے پونے داموں فروخت کیا گیا۔ تعلیم سو فیصد مہنگی کر دی گئی۔ غریب آدمی سے روٹی کا نوالہ چھین لیا گیا۔ پاکستان میں غربت 437.63% بڑھی اور لوگ فاقوں اور خود کشیوں پر مجبور ہو گئے۔ الغرض مہنگائی، غربت اور بے روزگاری اپنی انتہا پر ہو گئی۔

ان سب کے باوجود کیا اب بھی پرویز کی گردن نہیں جھکنی تھی؟ اس کی یہ گردن یا تو مظلوم عوام کے سامنے جھکی ہے یا پھر اپنے ان آقاؤں کے سامنے جن کے لیے اسے ابھی اور بہت کچھ کرنا تھا۔ یہ انتقام قدرت کی جھلک ہے کہ اپنے اقتدار کے عین عروج میں پرویز مشرف کو ایسا زوال ملا جس کی نمود اسے بھی توقع نہ تھی۔ وہ پرویز مشرف جسے زعم خدائی تھا۔ لیکن سچ ہے کہ کائنات کے خالق و مالک کے آگے کسی کا کوئی بس نہیں۔ وہ خالق ہے اور ہم مخلوق۔ اس کی ڈھیل ایک وقت مقررہ تک ہی ہے

اور وہ اس (میل کوٹم کرتا ہے تو فرعون جیسے بادشاہ کو دریا بُرد کرتا ہے، شاہ ایران جیسے حکمران کو یہاں کوٹتا ہے اور پرویز مشرف جیسے مغرب نواز کو مجبور و لاچار۔

جیالے احتیاط فرمائیں

صدر پاکستان جناب آصف علی زرداری جب برطانیہ یا ترا کے لیے لندن تشریف لے گئے تو ”ایم کیو ایم“ کے قائد الطاف حسین سے بھی ملے۔ اس ملاقات میں باہمی دلچسپی کے امور کے علاوہ قادیانیت کے متعلق بھی گفتگو ہوئی۔ الطاف حسین کو کیونکہ ان دنوں قادیانیت نوازی کا بھوت سوار ہے اس لیے وہ ہر جگہ قادیانیوں کی طرف سے وکیل صفائی کا ”کارنامہ“ بلا معاوضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ مذکورہ ملاقات میں بات کی ابتداء تو انتہا پسندی سے ہوئی اور انتہا قادیانیوں کی مظلومیت پر۔ جناب صدر نے فی الوقت تو دانشمندی سے معاملہ نبٹا دیا تھا لیکن مستقل قریب میں ایسے امور زیر غور آنے کا قوی اندیشہ ہے اس لیے پیپلز پارٹی کو ماضی کے صرف ایک واقعہ سے نہ صرف سبق حاصل کرنا چاہیے بلکہ اسے حرف بحرف از بر بھی رکھنا چاہیے۔

پیپلز پارٹی کے بانی مرحوم ذوالفقار علی بھٹو جہاں دیدہ سیاستدان تھے۔ 1974ء میں جب قادیانیوں نے فیصل آباد کالج کے مسلمان بچوں پر تشدد کیا تو پورا ملک سراپا احتجاج بن گیا۔ بعد میں عوام کی پُر زور تائید و تحریک پر جب قادیانی فتنہ کو قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا تو پورے ایوان نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اس وقت حزب اقتدار اور ایوان کے قائد جناب بھٹو تھے۔ یوں تو قادیانی اس ایوان کے ہر شخص کو اپنا دشمن تصور کرتے تھے لیکن قائد ایوان ہونے کی حیثیت سے ذوالفقار علی بھٹو ان کی آنکھوں میں کانٹا بن کر چبھتے تھے۔ بعد میں حالات کا پانسہ پلٹا اور ضیاء الحق اقتدار پر قابض ہوئے اور بھٹو کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ ایک متنازعہ مقدمہ قتل میں لاہور ہائیکورٹ نے بھٹو کو پھانسی کا حکم سنایا۔

پیپلز پارٹی نے لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی جسے 6 فروری

1979ء کو خارج کر دیا گیا۔ اس اپیل کے مسترد ہونے کے 2 دن بعد سر ظفر اللہ خاں قادیانی نے جسٹس (ر) جاوید اقبال (فرزند علامہ محمد اقبال) شیخ اعجاز احمد، چودھری بشیر احمد اور چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ جسٹس مولوی مشتاق حسین کی موجودگی میں اپنے گرو (نبی) مرزا قادیانی کا الہام سنایا کہ ہمارے حضرت کو ایک الہام ہوا تھا کہ

”ایک شخص کی موت کی نسبت خدا تعالیٰ نے اعداد تہجی میں مجھے خبر دی جس کا حاصل یہ ہے کہ ”کلب یموت علی کلب“ یعنی وہ ”کتا“ ہے اور کتے کے عدد پر مرے گا۔ جو باون (20 + 30 + 2 = 52 = کلب) سال پر دلالت کر رہے ہیں یعنی اس کی عمر 52 سال سے تجاوز نہیں کرے گی۔ جب 52 سال کے اندر قدم دھرے گا تب اسی سال کے اندر اندر راہی ملک بقاء ہوگا۔“

(ازالہ اوہام، صفحہ: 18، روحانی خزائن، جلد: 3، صفحہ: 190)

یہ الہام سنانے کے بعد ظفر اللہ قادیانی نے ذوالفقار علی بھٹو کی جانب اشارہ کیا کہ اس نے 5 جنوری 1979ء کو جیل میں اپنی 51 ویں سالگرہ منائی ہے اور اگلے سال اس الہام کے مطابق اس کا کام تمام ہو جائے گا۔ (یاد رہے کہ یہ نام نہاد الہام تقریباً پون صدی قبل مرزا نے بیان کیا اور پون صدی بعد مرزائیوں کے چہیتے سر ظفر اللہ نے اسے بھٹو پر چسپاں کر دیا) اپیل مسترد ہونے کے بعد جب بھٹو کو پھانسی ہوئی تو قادیانیوں نے پورے ملک میں جشن منایا اور مٹھائیاں تقسیم کی۔ ایک سال بعد (1980ء میں) جب ظفر اللہ کی مولوی مشتاق چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ سے ملاقات ہوئی تو اس نے مولوی مشتاق کو دجال قادیان کا الہام دوبارہ یاد کروایا اور زیر لب مسکرا دیا۔

(آتش فشاں لاہور 9 مئی 1980ء، صفحہ: 13 + سیاسی اتار چڑھاؤ از منیر احمد خان)

اب پیپلز پارٹی کے جیالے صدر و وزیراعظم اور تمام کارکنوں کو قادیانیت کی حقیقت واشگاف ہو جانی چاہیے کیونکہ قادیانی جماعت کے معتبر و معتمد سر ظفر اللہ نے مرزا قادیانی کا جو الہام بیان کیا ہے وہ

مزید کسی تعبیر و تشریح کا محتاج نہیں۔

کھل نہیں سکتی ہیں آنکھیں میری

قدرت اللہ شہاب

قدرت اللہ شہاب معروف زمانہ بیوروکریٹ، انشاء پرداز اور ادیب تھے۔ ایوب خان کے زمانہ صدارت سے حکومت سے وابستہ ہوئے اور آخر دم تک مختلف حکومتوں میں اہم عہدوں پر کام کیا۔ بشری خامیوں کے باعث کئی مرتبہ زیر تنقید بھی رہے۔ شہاب نامہ ان کی مقبول عام تصنیف ہے جس میں واقعات کو دھیمے مگر تیکھے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ شہاب نامہ میں کئی مقامات پر فاضل مؤلف نے قادیانیت پر زبردست تنقیدی جرح کی ہے۔ درج ذیل مضمون قدرت اللہ شہاب کی شخصیت کے الگ انداز کا عکاس ہے ملاحظہ فرمائیں۔

صبح دس بجے کے قریب مدینہ منورہ سے چار پانچ میل اس طرف رک گیا۔ یہاں پر ایک کنواں تھا جس پر رہٹ چل رہا تھا۔ قافلے والوں نے یہاں اتر کر غسل کیا اور نئے کپڑے پہنے۔ کچھ عقیدت مند بسوں پر دوبارہ سوار ہونے کی بجائے یہاں سے احتراماً پیدل چلنے لگے۔ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے پیدل روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دور چل کر خیال آیا کہ دیار حبیب ﷺ میں جوتے پہن کر داخل ہونا بھی ایک طرح کی بے ادبی ہے۔ میں نے فوراً اپنے چپل کھول کر ہاتھ میں اٹھا لیے اور برہنہ پا چلنے لگا۔ دھوپ میں تپتے ہوئے سنگریزوں پر پاؤں پڑتے ہی میرے تلوؤں میں آگ کے شعلے سے لپکے اور حرارت کی لہریں بجلی کے کرنٹ کی طرح میرے جسم میں پھیل کر دماغ سے ٹکرانے لگیں۔ میں نے ادھر ادھر دیکھ کر چپکے سے اپنے چپل دوبارہ پہن لیے۔ اپنے جذبہ احترام کے اس بودے پن پر مجھے اس قدر جھنجھلاہٹ اور ندامت محسوس ہوئی کہ میں نے اپنے چپل پھر کھولے اور انہیں اٹھا کر سڑک سے دور جھاڑیوں میں پھینک دیا۔ اب ننگے پاؤں چلنا ایک امر مجبوری تھا لیکن میری خود فریبی اس مجبوری کو احترام کا نام ہی دیتی رہی۔

گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ چلنے کے بعد ایک موڑ آیا جس کی گولائی پر چند گاڑیاں رکی ہوئی تھیں اور بہت

لوگ سڑک پر کھڑے والہانہ انداز میں درود و سلام پڑھ رہے تھے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ ان حضرات کو اپنا گوہر مقصود نظر آ گیا تھا۔ میری عمر اس وقت تیس تینتیس برس تھی۔ اس طویل عرصے میں میری آنکھوں نے زندگی کی کثافت و رذالت اور رکاکت و خباثت کے علاوہ اور کچھ بہت کم دیکھا تھا۔ اب جی چاہتا تھا کہ گنبد خضراء پر نگاہ ڈالنے سے پہلے ان گناہگار آنکھوں کو کسی قدر صاف کر لوں۔ اس مقصد کے لیے شاہراہ مدینہ کی خاک سے بہتر اور کیا چیز ہو سکتی تھی؟ میں نے اضطراباً چلتی ہوئی سڑک سے خاک کی ایک چٹکی اٹھائی اور اسے اپنے آنکھوں کا سرمہ بنالیا۔ مسجد نبوی ﷺ تک پہنچتے میری آنکھیں سرخ ہو کر سوچ گئیں اور راستہ نظر آنا مشکل ہو گیا۔ قدم قدم پر راہ گیروں سے ٹکر لگتی تھی۔ مجھے اندھا سمجھ کر ایک بھلے آدمی نے میری رہنمائی کی اور مجھے باب جبرئیل تک پہنچا دیا۔

باب جبرئیل پر عاشقان رسول ﷺ کا جھوم تھا۔ اندر جانے والوں اور باہر آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ایک نورانی صورت بزرگ چٹائی پر بیٹھے لوگوں کے جوتے سنبھالنے میں مصروف تھے۔ میری آنکھوں میں اب تک دھند سی چھائی ہوئی تھی اور بھیڑ کے ریلے میں پھنس کر مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میں آگے بڑھ رہا ہوں یا پیچھے جا رہا ہوں۔ ایک مقام پر میں چند لوگوں سے ٹکرا کر بُری طرح لاکھڑا ہوا اور جوتوں کے ڈھیر پر اوندھے منہ گر پڑا۔ جوتوں کی رکھوالی کرنے والے صاحب نے سہارا دے کر مجھے اٹھایا اور اپنے پاس چٹائی پر بٹھالیا۔ وہ ٹوٹی پھوٹی اردو بول لیتے تھے۔ میری آنکھیں سو جی ہوئی اور سانس پھول رہی تھی۔ اپنی صراحتی سے پانی کا گلاس پلا کر انہوں نے ازراہ ہمدردی دریافت کیا کہ میری آنکھوں کو کیا مرض لاحق ہے؟ میں نے شاہراہ مدینہ کی خاک کی چٹکی والا واقعہ بے کم و کاست بیان کر دیا۔ اسے سن کر وہ بے اختیار رو پڑے اور مجھے وہیں بیٹھے رہنے کی ہدایت کی۔ عصر کی نماز سے پہلے وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے اور جالی مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر بڑے سوز و گداز سے درود و سلام پڑھایا۔ نماز کے بعد وہ مجھے پھر اپنے پاس چٹائی پر لے آئے۔

یہ صاحب مشرق اور مغرب میں بہت سے ملکوں کی سیاحی کر چکے تھے۔ عربی تو ان کی مادری

زبان تھی۔ اس کے علاوہ ترکی، فارسی اور انگریزی خوب جانتے تھے۔ کسی قدر فرانسیسی زبان سے بھی آشنا تھے۔ اٹھارہ، انیس برس سے روضہ رسول ﷺ اور مسجد نبوی کی صفائی کے انتظامات کے ساتھ وابستہ تھے۔ حج کے زمانہ میں جب زائرین کا رش بڑھ جاتا ہے تو یہ صاحب رضا کا رانہ طور پر باب جبرئیل کے باہر جوتے سنبھالنے کے کام میں بھی ہاتھ بنایا کرتے تھے۔ انہوں نے میرا پاسپورٹ دیکھا اور ہنس کر بولے ”تم تو پڑھے لکھے آدمی ہو۔ میری اردو بڑی کمزور ہے“ آؤ انگریزی میں گفتگو کریں۔“ جب انہیں معلوم ہوا کہ میرے رہنے کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے تو مغرب کے بعد وہ مجھے اپنے گھر لے گئے، جو مسجد نبوی ﷺ کے بالکل قریب تھا۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ کھانا کھلایا، اپنے کپڑوں کا ایک صاف جوڑا عنایت کیا، بازار سے نئے چپل لا کر دیے اور ایک ڈاکٹر کی دکان پر جا کر میری آنکھوں میں دو اڈا لوائی۔ ساتھ ہی انہوں نے فرمایا کہ میں رات بھی ان کے ہاں گزاروں۔ میں نے التماس کی کہ اگر وہ مجھے باب جبرئیل کے باہر اپنی چٹائی پر شب ب سری کی اجازت دے دیں تو مجھ پر بڑا احسان ہوگا۔ اس پر وہ کچھ سوچ میں پڑ گئے اور پھر بولے ”اس کی اجازت تو نہیں، خیر عشاء کے بعد دیکھا جائے گا۔“

عشاء کے بعد جب مسجد نبوی ﷺ کے دروازے بند ہو گئے تو وہ اندر ہی رہے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد اپنے سرکاری فرائض سے فارغ ہو کر باہر آئے اور مجھے ایک کاغذ دیا جس پر عربی میں کچھ لکھا ہوا تھا اور نیچے مہر لگی ہوئی تھی۔ فرمایا: ”تم اس چٹائی پر رات گزار سکتے ہو۔ اگر کوئی اعتراض کرے تو یہ اجازت نامہ دکھا دینا۔“

تہجد کی اذان ہونے تک کئی سپاہیوں نے کئی بار آ کر مجھے ٹوکا لیکن اجازت نامہ دیکھ کر وہ خاموش ہو جاتے تھے۔ ایک روز تو جوتے رکھنے والے صاحب نے اپنی کرم فرمائی کی انتہا کر دی۔ عشاء کے بعد جب مسجد نبوی ﷺ کے دروازے بند ہونے لگے تو انہوں نے مجھے باہر نہیں نکالا اور تہجد کی اذان تک اندر ہی رہنے دیا۔ یہاں تھوڑی دیر کے لیے جالی مبارک کے اندر اس عرش بریں جیسی مقدس

انہوں نے مجھے اپنی پلکوں سے جاروب کشی کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

اگلے روز انہوں نے مجھے مدینہ منورہ سے رخصت کر دیا۔ میں نے بہت عذر کیا کہ میرا یہاں سے اٹھنے کوئی نہیں چاہتا لیکن وہ نہ مانے۔ کہنے لگے: ”پانی کا برتن بہت دیر تک آگ پر پڑا رہے تو پانی اہل اہل کر ختم ہو جاتا ہے اور برتن خالی رہ جاتا ہے۔ دنیا داروں کا ذوق و شوق وقتی ابال ہوتا ہے۔ کچھ لوگ یہاں رہ کر بعد میں پریشان ہوتے ہیں۔ ان کا جسم تو مدینے میں ہوتا ہے لیکن دل اپنے وطن کی طرف لگا رہتا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ انسان رہے تو اپنے وطن میں لیکن دل مدینے میں لگا رہے۔“ وہ مجھے بسوں کے اڈے تک چھوڑنے آئے اور جدہ جانے والی ایک بس میں مجھے ڈرائیور کے ساتھ والی اگلی سیٹ دلوادی۔ نصف راستہ طے کرنے کے بعد ہم نے ایک جگہ دیکھا کہ ایک سیاہ فام افریقی نوجوان ننگے سر دھوپ میں پیدل چلا آ رہا ہے۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی تھی اور بیوی کی گود میں ایک ننھا سا بچہ تھا۔ اس شدید دھوپ میں بھی یہ جوڑا بڑے اطمینان سے پایادہ مدینہ شریف کی طرف جا رہا تھا۔ ڈرائیور رحم دل آدمی تھا۔ بس روک کر اس نے ان مسافروں کو اپنی صراحی سے پانی پلایا۔ پانی دیتے ہوئے ڈرائیور نے بتایا کہ یہ پانی مدینہ منورہ سے آیا ہے۔ یہ سنتے ہی ان کے چہرے خوشی سے جگمگا اٹھے۔ انہوں نے ایک گھونٹ اپنے بچے کے منہ میں بھی نکال دیا۔ پانی کے کچھ قطرے زمین پر گر گئے تھے۔ میاں بیوی نے جھک کر بھیگی ہوئی ریت اٹھائی اور منہ میں ڈال لی۔

دیار حبیب ﷺ میں دوبارہ حاضری:

۱۱ فروری ۱۳۴۳ء کو علی الصبح ہمارا قافلہ شہر نبوی ﷺ میں داخل ہوا۔ اس کے قریب پہنچتے ہی کسی نے زوردار آواز میں پکارا ”وہ مدینہ آ گیا۔“ اس مژدہ جانغزاکے سننے کے لیے عرصے سے کان مشتاق دل مضطرب اور طبیعت بے قرار تھی۔ یہ مبارک کلمہ سنتے ہی کئی ایک کی آنکھوں نے سیلاب محبت بہانا شروع کر دیا۔ خوشی کی ایک لہر دل میں اتری جاتی تھی جو جوش میں تنخیر پا کر دماغ پر چھا جاتی تھی۔ ہوش و حواس جسم خاکی کو وداع کہہ رہے تھے۔ فرط مسرت و انبساط کا یہ عالم تھا کہ روح تحلیل ہوتی

تھی۔ بدن کے تمام بے تاب رگ و پے سوز و گداز کے مرحلے طے کر رہے تھے۔ عقل گم تھی اور کیف و وجدان کی وہ کیفیت طاری تھی کہ نہ زبان سے بیان ہو سکتی ہے نہ قلم اسے ضبط تحریر میں لاسکتا ہے۔

الحمد للہ آج ہم ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں سے دیار مقدس اور گنبد خضراء کا دلکش منظر سامنے ہے۔ شمع معرفت کی تجلیاں خرمن صبر و قرار پر حملہ آور ہو رہی ہیں۔ وادی ایمن کے بے حجاب جلوے دلوں میں تڑپ پیدا کر رہے ہیں۔ بے چین دل، اشکبار آنکھیں، زرد چہرے، سرخ اور پرداغ سینہ اور شکستہ اعضاء آج اپنے مشاغل کے لیے ایک نئی کیفیت محسوس کر رہے ہیں۔ سینے میں جو آگ مشتعل تھی اب اس سے شعلہ جوالہ نکل نکل کر آہ آتشیں کی صورت اختیار کر رہے ہیں۔

مبارک ہو تمہاری محبتیں ٹھکانے لگیں، تمہاری دعائیں قبول ہوئیں، تمہاری دیرینہ آرزوئیں بر آئیں، غل تمنا بار آور ہوئی اور منزل مقصود قریب آگئی ہے۔

شہر مقدس کے پہلے دروازے مغربہ سے داخل ہوئے تو سعودی فوج کے دستوں نے سلامی سے ہمارے کارواں کا استقبال کیا۔ ہر ایک سی لینسی امیر مدینہ مع اپنے شاف اور زعماء و عمائدین شہر موجود تھے۔ استقبالیہ کی رسم سے فارغ ہو کر ہم ریلوے اسٹیشن مدینہ منورہ کے عالی شان ایوان میں داخل ہوئے جسے خاص اہتمام سے سجایا گیا تھا۔ قبوہ شربت اور آب خور مغربہ سے تواضع کے بعد قافلہ مع اپنے سالار کے حرم نبوی ﷺ کی زیارت اور در رسول ﷺ پر حاضری کے لیے ادب و احترام کے ساتھ پیادہ پار واندہ ہوا۔ حرم پاک کے باب السلام پر پہنچ کر بے تابانہ سلام عرض کیا۔ ہم ناچیز و ناتواں آستانہ مبارک پر پہنچ گئے۔ دل و دیدہ کی کیفیت عجیب تھی۔ روضہ نبوی ﷺ کے پروانے گنبد خضراء کے سائے میں کھڑے ہیں۔ یہاں زائرین کا جھوم ہے۔ شمع منور پر پروانے متواتر گر رہے ہیں۔ ہر شخص اخلاص و عقیدت کے ساتھ صلوٰۃ و سلام، درود و نماز اور تلاوت و تسبیح میں مصروف ہے۔ صحن حرم خوش نصیب مسلمانوں اور شمع جمال نبوی ﷺ کے پروانوں سے پُر ہے مگر کیا مجال جو کوئی آواز بلند ہو۔ ہر دل پر ادب کا سکہ جاری ہے۔ کیف و معرفت کا دور چل رہا ہے۔ روحانیت کا سمندر موجزن ہے۔

میں کو دیکھو، مصروف مجاہدات اور تجلیات ہے۔ کسی کو اپنی خبر نہیں۔ سب اسی جالی والے ایوان عظیم الشان کی طرف منکلی باندھے متحیر از خود رفتہ کھڑے ہیں۔ کوئی درود و سلام پڑھ رہا ہے تو کوئی دلائل الحیات کا ورد کر رہا ہے۔ کسی کی آنکھوں سے سچے موتی ٹپک رہے ہیں تو کوئی خاموشی میں ٹھنڈے سانس بھر رہا ہے۔ غرضیکہ ہر شخص اپنے اپنے دل کی کیفیت کو اپنی اپنی زبان سے محبوب ﷺ کی جناب میں پیش کر رہا ہے۔ حضور رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ ارادت پیش کر کے شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہوئے مزار سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہما کے سامنے پہنچے اور وہاں نذرانہ عقیدت ادا کیا۔

مدت کی آرزوئیں پوری ہوئیں۔ دل کے ارمان نکلے، نیاز مندانہ سلام سے فراغت پا کر صحن حرم کی ہیم جاں افزا سے معطر ہوتے ہوئے ہم سب اپنے بلند اقبال قافلہ سالار کی معیت میں اپنے کیمپ میں آگئے۔

رمضان المبارک کے کئی دن میں نے مسجد نبوی ﷺ میں نمازیں پڑھ کر گزارے۔ اور ادو وظائف اور درود و سلام بھی جاری رکھا اور ساتھ ہی روضہ حضور ﷺ کی حاضری و زیارت کی سعادت بھی حاصل کی۔

حضور اکرم ﷺ کا روضہ مبارک مسجد نبوی کے آخری سرے پر جنوب کی طرف ہے۔ یہ بزرگنبد والا روضہ اقدس جہاں واقع ہے وہ قطعہ زمین دنیا کا مقدس ترین حصہ ہے۔ محدثین و فقہاء نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ روئے زمین کے تمام مقامات سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کا مقام ہے۔ جس جگہ حضور ﷺ کا جسد مبارک زمین سے مس ہو رہا ہے وہ بالاتفاق روئے زمین کا افضل ترین مقام ہے۔ یہاں محبوب خدا ﷺ کا جسد مبارک ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ اور زندہ و تابندہ ہے۔ انسان یہاں پہنچ کر ایک عالم جذب سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ عاشقان رسول ﷺ یہاں پہنچ کر دنیا و مافیہا کو بھول جاتے ہیں اور ایک والہانہ جذب و شوق انہیں دنیا

کی ہر چیز سے بے خبر کر دیتا ہے۔ بس ایک ہی کیفیت ان کے حواس اور دل و دماغ پر اپنے پر پھیلا دیتی ہے اور وہ کیفیت ہے دنیا کی عظیم ترین شخصیت کے حسن و جمال اور زیبائی و رعنائی کے احساس کی۔ اس احساس کے پیش نظر ساری دنیا، اس کے تمام مقامات، اس کے تمام مناظر، اس کی تمام شخصیات بے معنی نظر آنے لگتی ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ ایک والہانہ جذب و شوق کا عالم ان سب کی نفی کر کے ان کو دل و دماغ کی آنکھوں سے اوجھل کر دیتا ہے۔

مسجد نبوی ﷺ کا سارا حسن و جمال اس روضہ اقدس و اطہر کی وجہ سے ہے۔ وہ روضہ اقدس جہاں حضور ﷺ کا جسد مبارک آرام فرما ہے اور پھر اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس ساری زمین پر حضور ﷺ کے سجدوں اور قدموں کے نشانات ثبت ہیں۔ ان کی سانسوں کی مہک آج بھی مشام جان کو معطر رکھتی ہے۔ ان کا جمال جہاں افروز جہاں صورت مہر نیم روز آج بھی نظارہ منور ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مبارک تھا۔ جہاں آنحضرت ﷺ نے خاصے عرصے تک قیام فرمایا اور جہاں ان کا وصال بھی ہوا اور جہاں آپ ﷺ کا جسد اطہر لحد میں اتارا گیا اور جہاں ان کے قدموں میں ان کے صحابہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم بھی آرام فرما ہیں۔ کسی زمانے میں حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک کچی عمارت تھی لیکن اب اس پر روضہ اطہر کی عمارت مستطیل شکل میں تعمیر کی گئی ہے۔ روضہ مبارک کے آس پاس پتیل اور لوہے کی وہ جالی ہے جو ہر زمانے میں زائرین اور شعراء و ادباء کے دامن دل کو اپنی طرف کھینچتی رہی ہے اور جس کے حسن و جمال کی شان میں یہ سب رطب اللسان رہے ہیں۔ روضہ اطہر کے آس پاس مضبوط چار دیواری ہے اور اس میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔ عمارت پر غلاف پڑا ہوا ہے۔ ہر لمحہ یہاں عاشقان رسول ﷺ کا جھوم رہتا ہے اور درود و سلام کی نغمہ گئی کانوں میں رس گھولتی ہے۔ انسان اور فرشتے سب یہاں درود و سلام کا ورد کرتے ہیں۔

میں روضہ حضور اکرم ﷺ پر دعاؤں میں مصروف تھا، آنکھیں بند تھیں اور میں ان بند آنکھوں

سے نہ جانے کیا کچھ دیکھ رہا تھا۔ حضور ﷺ کا پیکر نور میرے سامنے تھا۔ اگرچہ میں احتراماً کچھ فاصلے پر کھڑا تھا لیکن عشق رسول ﷺ کے جذب و جنوں نے مجھے ان کی ذات بابرکات اور عظیم شخصیت سے اتنا قریب کر دیا تھا کہ کوئی دوری درمیان میں حائل نہیں رہی تھی۔ قرب کی اس کیفیت نے مجھے لطف و الحسا کی ایک ایسی منزل پر پہنچا دیا تھا جہاں سے واپس لوٹنا ارادی طور پر مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ یہ روحانی تجربات کی ایک ایسی منزل تھی جس تک رسائی خوش بختوں ہی کے حصے میں آتی ہے۔

واقعی میں بہت خوش قسمت تھا کہ رب العالمین اور رحمت للعالمین ﷺ نے مجھے روحانی تجربے کی اس منزل سے آشنا کیا اور مسرتوں کے دریا میری زندگی میں موجزن کر دیے۔ آج بھی میں اس کیفیت کی لذت کو محسوس کرتا ہوں اور فرط مسرت سے حضرت خواجہ میر درد کا یہ شعر پڑھتا ہوں:

کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں میری
جی میں یہ کس کا تصور آگیا



نعت نبی
مولانا حسن رضا خان بریلوی

عجب رنگ پر ہے بہار مدینہ
مبارک رہے عندلیبو! تمہیں گل
مری خاک یا رب نہ برباد جائے
ادب سیکھو رضوان یہ جنت نہیں ہے
جدھر دیکھے باغ جنت کھلا ہے
ملاٹک لگاتے ہیں آنکھوں میں اپنی
دو عالم میں بٹتا ہے صدقہ یہاں کا
شرف جن سے حاصل ہوا انبیاء کو
کہ سب جنتیں ہیں نثار مدینہ
ہمیں گل سے بہتر ہے خار مدینہ
پس مرگ کر دے غبار مدینہ
چلو سر کے بل ہے یہ کوئے مدینہ
نظر میں ہیں نقش و نگار مدینہ
شب و روز خاک مزار مدینہ
ہمیں اک نہیں ریزہ خوار مدینہ
وہی ہیں حسن افتخار مدینہ

دینی القابات و خطابات کا بے جا استعمال

پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی

علامہ فاروقی اہلسنت کے معروف مترجم، مقالہ نگار، محقق اور ادیب ہیں۔ کوچہ صحافت میں آپ کے گرانقدر مقالہ جات اپنی مثال آپ ہیں۔ پاک و ہند کے درجنوں رسائل میں آپ کے فکر انگیز، حقائق آفریں اور پراثر مضامین شائع ہوتے ہیں۔ پیرزادہ صاحب اپنی گونا گوں خدمات کی بدولت بلاشبہ ایک انجمن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ملک عزیز پاکستان کی چھ دہائیوں کے عینی شاہد اور بے شمار رسائل و جرائد کے قلمی معاون ہیں۔ مفسر قرآن حضرت مولانا محمد نبی بخش حلوانی اور حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے تربیت یافتہ ہیں۔ قدیم اشاعتی ادارے ”مکتبہ نبویہ“ کے بانی ماہنامہ ”جہان رضا“ کے مدیر شہیر اور ان گنت کتابوں کے ناشر و مصنف ہیں۔

تاریخ عالم پر نگاہ ڈالی جائے تو انسانی شرف و فضیلت کو اجاگر کرنے کے لیے القابات و خطابات کا استعمال نسل انسانی کے مختلف ادوار میں رہا ہے اور اصل نام کے ساتھ اوصافی و صفاتی القابات کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ انسانی معاشرہ میں سب سے باعظمت اور ارباب فضیلت انبیاء کرام علیہم السلام کا گروہ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغامات کو لوگوں کی ہدایت کے لیے پوری صلاحیت اور قابلیت سے پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو کے ذاتی ناموں کے ساتھ ساتھ بڑے اہم القابات و خطابات سے نوازا کر ان کی خدمات کا اعتراف کیا ہے اور عام لوگوں کو انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت سے روشناس کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ”نبی اللہ“، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ”خلیل اللہ“ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ”ذبیح اللہ“ کے خطابات سے سرفراز فرمایا گیا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے ابتدائی مراحل سے کامیاب و کامران گزرے تو آپ کو ”امام الناس“ کا خطاب دیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ”کلم اللہ“ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ”روح اللہ“ قرار دیا گیا۔

فرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقررین کی خدمات کو اتنا نمایاں کیا کہ انہیں بڑے بڑے باوقار اور اعظمت خطابات و القابات عطا کیے گئے ہیں۔ نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو جن خطابات و القابات سے نوازا گیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ رحمۃ للعالمین، سید المرسلین، امام الانبیاء، شفیع المذنبین، بشیر، نذیر، سراج منیر جیسے ہزاروں القابات و خطابات عطا فرمائے۔ یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ کو تین ہزار سے بھی زائد خطابات سے سرفراز فرمایا گیا۔

سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے اصحاب و احباب کی خدمات کو بلندی عطا فرمانے کے لیے ایسے ایسے خطابات عطا فرمائے کہ آج ہم ان حضرات قدسیہ کے ذاتی ناموں سے ہٹ کر ان القابات سے زیادہ واقف ہیں جو سرور دوعالم ﷺ نے عطا فرمائے تھے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ”صدیق اکبر“، سیدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو ”فاروق اعظم“، سیدنا عثمان غنی بن عفان رضی اللہ عنہ کو ”ذوالنورین“ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو ”اسد اللہ“ کے خطابات عطا فرما کر تاریخ اسلام میں درخشاں کر دیا۔ پھر یہاں تک ہی نہیں آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سید الشہداء اور سیف اللہ جیسے خطابات عطا فرمائے۔

ان پر شکوہ خطابات سے ہٹ کر پیار کی زبان کھلی تو ابوتاب، ابو ہریرہ، البتول، الہمیرا، سیدۃ النساء جیسے القابات عطا ہوئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کا دور گزرا تو امامت کا دور آیا۔ یہ خطابات بھی اپنی رفعتوں کے لحاظ سے بے مثال تھے۔ امام حسن، امام حسین، امام مسلم، امام زین العابدین، امام باقر، امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے خطابات سامنے آئے۔ پھر خانوادہ رسالت کے ساتھ ساتھ دینی علوم کی روشنیاں پھیلیں تو امام مالک، امام اعظم، امام شافعی، امام احمد رحمۃ اللہ جیسے خطابات آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے ان خطابات کا حق ادا کر دیا اور یوں محسوس ہونے لگا کہ ان حضرات کی خدمات کے سامنے ان کے خطابات کم تر ہیں۔

ائمہ مذاہب سے تھوڑا سا آگے چل کر جب محدثین کا دور آیا تو سراج الامت، امام المحدثین، شمس

الائمہ اور امام الائمہ جیسے خطابات سامنے آنے لگے۔ ان حضرات کا زمانہ گزرا اور فقیہان اسلام کا دور آیا تو ہم دیکھتے ہیں فقیہ العصر، فقیہ الزمان، فقیہ ذیشان جیسے القابات سنبھل گئے۔ امام اعظم، محدثین اسلام، فقیہان ملت نے واقعی اپنے خطابات والقابات کا حق ادا کر دیا اور انہوں نے امامت، فقاہت اور تدوین احادیث کا اتنا عظیم کام کیا کہ ان کے خطابات ان کے کاموں کے سامنے دست بستہ نظر آنے لگے۔

یہ تو وہ لوگ تھے جو کسی تحسین و ستائش کے بغیر کام کرتے گئے مگر جب اسلام میں ملکیت کا دور آیا تو بہت سے سربراہان مملکت نے اپنے درباری اہل علم و فضل کو بڑے اعلیٰ خطابات والقابات سے نوازا۔ تاریخ میں ایسے حضرات کے نام گنتی سے بھی زیادہ ہیں جنہیں ایسے خطابات سے نوازا گیا مگر حقیقت ہے کہ اگرچہ انہیں سربراہان مملکت نے خطابات دیے مگر ان حضرات نے بھی ان خطابات کا حق ادا کر دیا اور ان کی علمی و دینی خدمات کے پیش نظر واقعی یہ خطابات موزوں اور مناسب تھے۔

علمی اور دینی خدمات کے علاوہ ایسا طبقہ بھی سامنے آیا جو مختلف فنون، کمالات اور ذہانت کی وجہ سے بڑے بڑے خطابات کا مالک بنا۔ ان ارباب فن اور ارباب سخن نے اپنے خطابات کی لاج رکھی اور اپنے کمالات فن اور سخن وری کے جھنڈے گاڑ دیے اور دنیا کے علم و فن نے تسلیم کیا کہ واقعی یہ لوگ ایسے خطابات کے مستحق تھے۔

زوال امت کے ساتھ ساتھ زوال علم و فن کا زمانہ آیا تو بہت سے درباری حضرات نے خطابات والقابات کے حصول کے لیے ہر وہ حربہ استعمال کیا جو اقتداری قوتوں کو خوش کر سکے اور ان سے مراعات حاصل کی جاسکیں جو ایسے خطابات سے وابستہ ہوتی ہیں۔ اگرچہ تاریخی اوراق اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ بعض نااہل لوگوں نے ایسے ایسے خطابات حاصل کر لیے جو ان کی ذات کو زیب نہیں دیتے تھے اور جنہیں دیکھ کر کہنا پڑتا تھا کہ زنگی کا نام کا فوراً اندھی کا نام نور بھری، بد صورت کا لقب پری چہرہ، یک چشم گل کو گل بکاؤلی کا نام دیا گیا۔ اگرچہ یہ رسم صدیوں سے رواج یافتہ ہے مگر ہمارے

عصر میں ان القابات اور خطابات کو جس انداز سے بانٹا گیا ہے یا حاصل کیا گیا ہے اس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

اگرچہ دنیا کی اسلامی حکومتوں کے درباروں سے ایسے ایسے خطابات اور القابات تقسیم کیے گئے ان کے بعض خطابات یافتہ اہل تھے۔ مگر بعض ایسے بھی لوگ خطابات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے جو نااہل تھے۔ جب اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں تو امراء و وزراء اور سپہ سالاران افواج کے علاوہ مشائخ، شعراء، حکماء اور دانشوروں کو بھی مختلف خطابات اور القابات سے نوازا گیا جن کی تفصیلات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ مگر سلاطین کے درباروں کے برعکس بعض اولیاء کرام اور علمائے ذیشان کو ان کے منصب و مقام کے پیش نظر ان کے اپنے مشائخ طریقت اور اساتذہ نے خطابات دیے۔ بعض اوقات عقیدت مندوں اور مریدوں نے بھی ازراہ عقیدت و احترام اپنے بزرگوں کو القابات دیے۔ حضرت سید ابوالحسن بھوی کو ”داتا گنج بخش“، سید خواجہ معین الدین اجمیری کو ”خواجہ خواجگان“، حضرت نظام الدین اولیاء کو ”محبوب الہی“، حضرت سید مسعود فاروقی کو ”گنج شکر“ جیسے خطابات والقابات سے متصف کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے اور دوسرے صوفیائے عظام نے ان خطابات سے کہیں بڑھ چڑھ کر کام کیا۔

مغل بادشاہوں نے جہاں اپنے دربار سے علماء و مشائخ اور شعراء کو مختلف القابات سے نوازا وہاں دربار کے باہر یا دربار کے اندر علماء و مشائخ بھی بلند منصب القابات سے ملقب ہوئے۔ حضرت شیخ احمد سرہندی کو اس وقت کے زبردست عالم دین مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے ”مجدد الف ثانی“ کا لقب دیا۔ پھر خانوادہ مجددیہ کے چار بلند پایہ حضرات قیوم اول، قیوم ثانی، قیوم ثالث اور قیوم رابع کے خطابات سے مشہور ہوئے۔ مغلوں کے آخری دور اقتدار میں نقشبندی سلسلہ روحانی میدان میں پھیلا رہا۔ حضرت شیخ احمد سرہندی نے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کو ”آفتاب پنجاب“ کے خطاب سے نوازا اور حضرت شیخ عبدالحق ”محدث دہلوی“ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

ایک وقت آیا کہ دنیائے اسلام میں علماء کرام اور مشائخ عظام نے مختلف ناموں سے شہرت حاصل کی۔ ایک وقت تھا دنیائے علم و فضل میں ”ملا“ کا لقب بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ ملا جامی، ملا دوانی، ملا صدر ایچے نابذ روزگار سامنے آئے مگر کچھ عرصہ کے بعد یہ لقب اتنا عام ہوا کہ اپنا مقام کھو بیٹھا۔ ہر شخص نے اس لقب کو اپنا کر ”ملا“ سے ”ملاں“ بنالیا۔ شیعوں کے ہاں ”مجتہد“ کا لقب بڑا مقبول ہوا۔ مجتہد العصر، مجتہد الزماں، مجتہد العلم، مجتہد فی المذہب جیسے خطابات تقسیم ہونے لگے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ ذکر بھی مجتہد کہلائے جنہیں ناظرہ قرآن بھی پڑھنا نہیں آتا تھا۔

ایک زمانہ تھا کہ ہر مرید اپنے پیر کو ”قبلۂ عالم“ کہا کرتا تھا۔ ہر شاگرد اپنے استاذ کو ”شمس العلماء“ کہتا تھا۔ ہر عقیدت مند اپنے شیخ کو ”قطب الاقطاب“ کہا کرتا تھا مگر آہستہ آہستہ جب یہ خطابات پستہ قد سجادہ نشینوں اور درباری علماء نے اپنا لیے تو ان کی قدر و قیمت باقی نہ رہی۔ برصغیر میں انگریزی اقتدار آیا تو انہوں نے مغل سلطنت کی بعض روایات کو قائم رکھا۔ ان کے دربار سے وابستہ کئی علماء کرام اور شعراء عظام نے خطابات حاصل کیے۔ دولت عثمانیہ کے آخری فرمانروا نوابان حیدر آباد دکن نے علماء و فضلاء کو بڑے بڑے خطابات سے نوازا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ایسے ہی خطابات کے مستحق تھے۔

پاکستان بنا تو یہ روایت حکومتی سطح پر بہت کمزور پڑ گئی مگر علمی اور روحانی اداروں میں خطابات والقبابات کا مقابلہ چلتا رہا۔ ہم جب پاکستان کے ایسے القابات یافتہ حضرات کو دیکھتے ہیں تو وہ اپنے ان خطابات سے نہایت پست بلکہ بعض اوقات ”برعکس نہند نام زنگی کا فور“ کا منظر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ خطاب یافتہ حضرات علمی اور عملی معیار میں اس قدر پست تھے کہ ان کے القابات و خطابات بذات خود کاٹنے لگے کہ ہمیں کہاں لارکھا گیا ہے۔ بعض حضرات تو ایسے ہیں جنہیں یہ بھی تمیز نہیں کہ اس خطاب کے کیا معنی ہیں؟ اس کو کس انداز سے استعمال میں لانا ہے؟ بعض اوقات ان خطابات کا استعمال مضحکہ خیز نظر آنے لگتا ہے۔

ایک پاکستان کے دوران دیوبند کے ایک سرخیل عالم مولوی حسین احمد مدنی (ٹانڈوی) ہندو کانگریس کے کیمپ سے وابستہ تھے۔ وہ تشکیل پاکستان کے خلاف زہر آلود تقریریں کرتے اور ہندوؤں کی حمایت میں بیان بازی کرتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو ”نگ اسلاف“ لکھا کرتے۔ کانگریسی ہندو ”نگ اسلاف“ کے لقب کے معنی سے ناواقف تھے۔ انہوں نے دہلی میں ”حضرت ٹانڈوی“ کی زیر صدارت ایک کانفرنس منعقد کی اور بہت بڑا اشتہار شائع کیا جس میں موٹے حروف میں لکھا تھا ”نگ اسلاف مولانا حسین احمد مدنی“ خطاب کریں گے۔

مولانا محمد بخش مرحوم تحریک پاکستان کے زبردست ترجمان تھے۔ وہ ایک عرصہ تک سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دوسرے احراری لیڈروں سے ملتے جلتے رہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے پورا ہفتہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ساتھ گزارا مگر اس پورے ہفتہ میں انہوں نے ایک نماز بھی نہ پڑھی مگر ان کا لقب ”امیر شریعت“ تھا۔

لکھنؤی شیعوں کے ایک زبردست ذاکر ”شام غریباں“ میں لوگوں کو رلایا کرتے تھے۔ ان کا لقب ”مجتہد العصر والزماں“ تھا مگر وہ ناظرہ قرآن پاک بھی نہیں پڑھتے تھے۔ وادی کشمیر میں ایک دیوبندی عالم تھے جن کی زبان میں لکنت تھی، تقریر کبھی نہ کی مگر وہ ساری زندگی ”میر واعظ“ کہلاتے رہے۔ دہلی کے دانشور جانتے ہیں کہ مرزا غالب کا ابتدائی تخلص ”اسد“ (شیر) تھا وہ ایک دن نواب مومن خان مومن کے گھر گئے تو نواب صاحب کے کتے نے انہیں اندر نہ جانے دیا۔ جب نواب صاحب نے یہ منظر دیکھا تو زور سے آواز دی۔ اسد اندر آ جاؤ مگر نوکروں کی آمد کے بغیر اسد اندر نہ جاسکے۔ اس دن سے غالب نے ”اسد“ کا لقب چھوڑ دیا۔

پاکستان میں جب علم و فضل کا جنازہ نکل گیا۔ روحانیت کے چراغ بجھ گئے اور خانقاہیں اہل اللہ سے خالی ہو گئیں تو یہاں کے علماء و فضلاء سجادہ نشینوں اور دربار نشینوں نے آگے بڑھ کر ان خطابات والقبابات پر قبضہ کر لیا جو ان کے آباؤ اجداد کو سجتے تھے۔

ہندوستان کی سر زمین میں جب امام احمد رضا خاں بریلوی اپنے علم و تقویٰ اور دینی خدمات کی بدولت ”اعلیٰ حضرت“ کہلائے تو یہ خطاب اتنا پسند کیا گیا اور عام ہوا کہ ہر شخص اپنے پیرومرشد کو ”اعلیٰ حضرت“ کہنے لگا اور اس طرح کئی صوبائی اور ضلعی سطح کے ”اعلیٰ حضرت“ سامنے آ گئے۔

نقشبندی مجددی خانقاہوں سے وابستہ حضرات نے اپنے آپ کو ”قیوم پنجم“ ”قیوم زماں“ ”قیوم عصر“ ”قیوم وقت“ اور ”قیوم ملت“ کہلانا شروع کر دیا۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مجدد کے لقب کو ”مجدد زماں“ ”مجدد اہل سنت“ ”مجدد مسلک“ ”مجدد شریعت“ ”مجدد روحانیت“ اور ”مجدد علیت“ اپنایا جانے لگا۔ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی نے اپنے والد گرامی کے افکار و فتویٰ کو پھیلانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اسی طرح اعلیٰ حضرت کے شاگردوں نے ”ملک العلماء“ ”صدر الافاضل“ ”صدر الشریعہ“ جیسے خطابات اپنائے مگر اب ہر عالم دین مفتی اعظم مفتی زماں مفتی پنجاب مفتی کراچی مفتی لاہور بن کر ایسے سامنے آتا ہے جیسے ”مفتی“ کا خطاب ”مفت“ مل گیا ہو۔

اس وقت ہمارے نو وارد علماء کو ”علامہ“ کہلانے کا بڑا شوق ہے۔ ہر مسجد ہر مدرسے بلکہ ہر گلی کوچے میں سینکڑوں ”علامے“ نظر آتے ہیں۔ اگر ان سے ”گلستان سعدی“ کے ایک شعر کا معنی پوچھیں تو داڑھی کو کھجانے لگتے ہیں۔ ہمارے ایک زبردست مقرر جب ایک جلسہ میں خطاب کرنے لگے تو انہوں نے جلسے کے قد آدم اشتہار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ آج جلسے کے اشتہار میں زبدۃ العارفین کے عرس پر زبدۃ العارفین کی صدارت میں زبدۃ العارفین کا خطاب ہوگا۔ انہوں نے سوال کیا کہ اگر صاحب مزار صاحب صدر اور مقرر تینوں ”زبدۃ العارفین“ ہیں تو پھر ان میں اصلی زبدۃ العارفین کون ہوگا؟

آج ہر گدی نشین ”زبدۃ العارفین“ ہے۔ آج ہر وعظ فروش ”عمدۃ الواعظین“ ہے۔ آج ہر نعت فروش ”حسان وقت“ ہے۔ یہ تو ہم اپنے گھر کی بات کرتے ہیں اگر دیوبندیوں، وہابیوں، شیعوں

دہلیوں کے اکھاڑوں میں چلے جائیں تو آپ کو ایسے ایسے خطابات ملیں گے کہ عقل دنگ رہ جائے۔ ہم ایک وہابی عالم کے پاس گئے تو انہوں نے اپنے چھوٹے بیٹے کو آواز دے کر کہا ”اوائے! اٹھ کر چار بوتلیں لانا مہمان آئے ہیں۔ ہم بوتلیں پیتے رہے اور ”امام ابن تیمیہ“ کو دیکھتے رہ گئے اس نے ابھی تک منہ بھی نہیں دھویا تھا۔

اسی طرح ہم ایک پیر خانے گئے تو صاحبزادہ صاحب نے ایک سوئے ہوئے درویش کو کہا ”قلب“ اٹھ اور سامنے سے چائے لا کر مہمانوں کے سامنے رکھ۔ ہم خوش نصیب چائے پیتے گئے اور ”قلب وقت“ کی زیارت کرتے گئے۔ شیعوں کی بارگاہوں میں کئی ”آیات اللہ“ گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

انحطاطی دور بڑا ابوالعجب ہے۔ صدر ضیاء الحق مرحوم کو خدا خوش رکھے اس نے اس رواج کو اہل علم و دانش میں ایسا عام کیا کہ ہر ابوالعجب نے ”تمغہ حسن کارکردگی“ حاصل کر لیا۔ ہم ان تمغہ یافتگان حکومت سے ملتے ہیں تو ہمیں حافظ شیرازی یاد آتے ہیں جنہوں نے کہا تھا ”طوق زریں ہمہ در گردن فری بنم“۔

ہمارے بڑے عزیز ایک دوست سابقہ دس برس سے ”تمغے“ کے حصول کے لیے بے چین ہیں۔ ہم نے انہیں کئی باتسلی دی کہ فکر نہ کرو اگر ہمیں صدر یا وزیر اعظم مل گئے تو تمہاری سفارش کریں گے۔ مگر آج تک صدر ملے نہ وزیر اعظم اور نہ اپنے دوست کو ”تمغہ حسن کارکردگی“ ملا۔

ع: نہ ربطان سے نہ یاری آسماں سے

ہمارے دینی حلقوں میں القابات و خطابات کا حصول اور پھر ان کا استعمال جس انداز سے ہو رہا ہے وہ قابل افسوس ہے۔ اگر یہی رفتار رہی تو عنقریب ایک ایسا وقت آئے گا کہ ہر ”بوالہوس عشق پرستی اپنا شعار“ بنالے گا۔ اگر ہم علمی اور عملی طور پر پیچھے رہ گئے ہیں تو ضروری نہیں کہ ہم غزالی، رازی، رومی اور جامی کہلائیں۔ چھوٹے القابات بھی اپنا مقام رکھتے ہیں اور صبر و استقامت کے ساتھ چھوٹے

گیت آؤٹ طالبان

حامد میر

محترم حامد میر صاحب اہل پاکستان کے لیے جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ تقریباً دو دہائیوں سے فنِ صحافت سے وابستہ ہیں اور مرزا نیت، قادیانیت کو اسلام و پاکستان کے لیے حقیقی فتنہ و خطرہ گردانتے ہیں۔ گاہے گاہے تحفظ ختم نبوت اور رد قادیانیت پر اپنے قلم کو حرکت میں لاتے ہوئے بارگاہ خاتم النبیین ﷺ میں حاضری لگواتے ہیں۔ مقام ختم نبوت کا تحفظ کرنے والے اداروں اور شخصیات کو مفید مشوروں سے نوازتے ہیں۔ عہد پرویز میں پاسپورٹ میں مذہب کے خانے کی بحالی میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ درج ذیل مضمون میں میر صاحب نے اسلام آباد کے روشن خیال بانیوں کی ایک جھلک دکھائی ہے جسے پڑھ کر محبت اسلام کا سرشرم سے جھک جاتا ہے۔

سترہ سالہ دانیال کے ایک انکار نے اسلام آباد کی اشرفیہ کو حیران نہیں بلکہ پریشان کر دیا۔ انکار کا یہ واقعہ پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس کے ڈرامہ ہال میں پیش آیا جہاں وفاقی دارالحکومت کے ایک معروف انگریزی میڈیم سکول کی تقریب تقسیم انعامات جاری تھی۔ رمضان المبارک کے باعث یہ تقریب صبح دس بجے سے بارہ بجے کے درمیان منعقد کی گئی اور اتوار کا دن ہونے کے باعث ڈرامہ ہال طلباء و طالبات کے والدین سے بھرا ہوا تھا۔ ان والدین میں شہر کے معروف لوگ بھی شامل تھے۔ اس تقریب پر مغربی ماحول اور مغربی موسیقی غالب تھی جس میں حیرانگی کی کوئی بات نہ تھی۔ تقریب کی تمام کاروائی انگریزی میں ہو رہی تھی اور انگریزی زبان جہاں بھی جاتی ہے اپنی تہذیب کو ساتھ لے کر جاتی ہے۔ اس دوران سکول کی طالبات نے جنید جمشید کے ایک پرانے گیت پر رقص پیش کیا۔ یہ گیت ایک سانولی سلونی محبوبہ کے بارے میں تھا جو شہر کے لڑکوں کو اپنا دیوانہ بنا لیتی ہے۔ نو عمر طالبات نے اس گیت پر دیوانہ وار رقص کیا اور حاضرین میں موجود کئی طلباء نے اپنے والدین کی موجودگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے محو رقص طالبات کو چیخ چیخ کر داد دی۔

القابات پر بھی اکتفا کیا جاسکتا ہے۔ اس سے یقیناً ہماری شان میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

آج کل ہمارے بعض علماء کرام ”اُکساری“ سے اپنے آپ کو ”فقیر“ کہتے ہیں۔ یہ اچھی روایت ہے مگر ان کے تکبر اور نخوت کا یہ عالم ہے کہ کام کی بجائے کہتے ہیں ”فقیر“ نے آرام کرنا ہے۔ ”فقیر“ نے قیلولہ کرنا ہے۔ ”فقیر“ گوشہ نشین ہے۔ ”فقیر“ چھ ہزار روپے لے کر تقریر کرے گا۔ ”فقیر“ بیمار رہتا ہے اس لیے دیسی گھی میں پکی مرغی کھاتا ہے۔ ”فقیر“ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا فقیر کے ایک عقیدت مند نے کارڈ دی۔ ”فقیر“ کے ایک محب نے مکان بنا دیا۔ یہ ”اللہ کے فقیر“ واقعی فقیر بن جائیں تو ان کا نام روشن ہو جائے گا اور مرنے کے بعد ان کی قبریں زندہ ہو جائیں گی اور ان کا وجود امتِ خاتم النبیین ﷺ کے لیے روشنی کا مینارہ بن کر چمکنے لگے گا۔



خدا اور رسول کی لعنت

کن لوگوں پر؟

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چھ آدمی ایسے ہیں کہ جن پر میں نے لعنت بھیجی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر لعنت کی ہے اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے اور چھ آدمی یہ ہیں۔

- اللہ کی کتاب میں زیادتی کرنے والا ● وہ شخص جو جبر و قہر سے اقتدار حاصل کر کے اس آدمی کو عزت دے جس کو اللہ نے ذلیل کیا ہو اور جس کو اللہ نے عزت عطا کی ہو اس کو ذلیل کرے ● اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والا ● اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھنے والا ● میری اولاد میں وہ آدمی جو محرّمات کو حلال کرنے والا ہو ● میری سنت کو چھوڑنے والا۔

(رواہ البیہقی فی المرسل)

قص کے بعد سٹیج سے ”اولیول“ اور ”اے لیول“ کے امتحانات میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء و طالبات کے نام پکارے جانے لگے۔ گولڈ میڈل حاصل کرنے والی بعض طالبات اسکارف اور برقعے میں ملبوس تھیں۔ ایک طالب علم ایسا بھی تھا جس کے چہرے پر نئی نئی داڑھی آئی تھی اور جب پرنسپل صلبہ نے اس کے گلے میں گولڈ میڈل ڈال کر اس کے ساتھ ہاتھ ملانا چاہا تو دبے پتلے طالب علم نے نظریں جھکا کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ پرنسپل صلبہ نے پوچھا کہ کیا تم ہاتھ نہیں ملانا چاہتے؟ تو طالب علم نے نفی میں سر ہلایا اور سٹیج سے نیچے اتر آیا۔

پھر دانیال کا نام پکارا گیا جو ”اے لیول“ مکمل کرنے کے بعد ایک امریکی یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے اور صرف گولڈ میڈل حاصل کرنے اپنے پرانے سکول کی تقریب میں بلایا گیا تھا۔ وہ گولڈ میڈل وصول کرنے کے لیے پرنسپل صلبہ کی طرف نہیں گیا بلکہ ڈانس پر جا کھڑا ہوا اور مائیک تھام کر کہنے لگا کہ وہ اپنے سکول کی انتظامیہ کا بہت شکر گزار ہے کہ اسے گولڈ میڈل کے لیے نامزد کیا گیا لیکن اسے افسوس ہے کہ مذکورہ تقریب میں سکول کی طالبات نے رمضان المبارک کے تقدس کا خیال نہیں کیا اور واہیات گیت پر قص پیش کیا۔ اس نے کہا کہ مسلمانوں کے ملک میں رمضان المبارک کے تقدس کی پامالی کے خلاف بطور احتجاج وہ گولڈ میڈل وصول نہیں کرے گا۔ یہ کہہ کر وہ سٹیج سے اتر آیا اور ہال میں کھلبلی مچ گئی۔ کچھ والدین اور طلباء تالیاں بجا کر دانیال کی حمایت کر رہے تھے اور کچھ حاضرین غصے میں پاگل ہو کر اس نوجوان کو انگریزی زبان میں برا بھلا کہہ رہے تھے۔ بوائے کٹ بالوں والی ایک خاتون اپنی نشست سے کھڑی ہو کر زور زور سے چیخی..... ”گیٹ آؤٹ طالبان“ گیٹ آؤٹ طالبان“



جاننے کس جرم کی پائی ہے سزا

حافظ شکیل انور بیگ

11 ستمبر کے بعد امریکی درندگی جب عروج پر تھی اس وقت ابوغراب جیل سے ایک مسلمان بہن فاطمہ کا خط شائع ہوا جس نے حکمرانوں کے سوا تمام طبقوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ چند سال بعد اب پھر ایسی ایک اور مسلمان بہن کے متعلق دل خراش واقعات کون کر دل خون کے آنسو روتا اور کیچ منہ کو آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری اس بہن تابی کا اس مظلومہ کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ یہ صرف جذبات ہیں اور یہاں عمل چاہیے۔ ایسا عمل جو اس مظلومہ کو اس کا حق دلائے، اسے آزادی مہیا کرے اور اسے ناحق قید کرنے والوں کو عالمی عدالت انصاف کے کٹہرے میں لائے۔ کہنے کی بجائے اس کی آزادی کا حق دلوانا انفرادی نہیں اجتماعی بلکہ حکومتی سطح کا معاملہ ہے۔ لیکن کیا کیا جائے حکومتی اکابرین کا؟ انہیں تو اپنے بکھیروں سے فرصت نہیں ملتی۔ انہیں کیا معلوم ڈاکٹر عافیہ اور اس جیسی دیگران گنت مظلوم پاکستانی خواتین پر کیا بیت رہی ہے۔ ہاں! اگر معاملہ صدر محترم یا وزیر اعظم کی کسی نور نظر، لخت جگر یا صاحبزادی کا ہوتا تو پھر معاملہ ایسا نہ ہوتا۔ آج اگر ہمارے صدر محترم اور وزیر اعظم ڈی شان ڈاکٹر عافیہ کی جگہ اپنی بچیوں کو تصور کریں تو انہیں ڈاکٹر عافیہ کی مظلومیت کی حقیقی تصویر نظر آئے گی کاش.....

ڈاکٹر عافیہ اور ان جیسی دیگر بے گناہ خواتین کی قید نے ”حقوق نسواں“ کی علمبردار طاقتوں کا حقیقی روپ اہل فہم کے سامنے پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر عافیہ کا تعلق پڑھے لکھے خاندان سے ہے ان کی والدہ ڈاکٹر، بہن ڈاکٹر اور خود عافیہ بھی ڈاکٹر ہیں۔ ڈاکٹر عافیہ کا قصور یہ نہیں کہ وہ بنیاد پرست رجعت پسند یا انتہا پسند ہے بلکہ اس کا قصور یہ ہے کہ وہ مسلمان کیوں ہے؟ کیا وجہ ہے کہ گوانتانامو بے کے عقوبت خانے میں کوئی غیر مسلم عورت قید نہیں؟ امریکہ و مغرب کی نام نہاد جنگ دہشت گردی کے خلاف نہیں بلکہ اسلام کے خلاف ہے جس کے متعلق ان کے جد امجد ”جناب بش“ نے کہا کہ یہ ”کروسڈ دار“ (صلیبی جنگ) ہے۔

برطانوی خاتون صحافی ریڈلی نے اپنی زندگی کے 11 دن طالبان کی قید میں گزارے تھے اور طالبان کے حسن سلوک کی وجہ سے ریڈلی نے اسلام قبول کیا۔ اب وہ ایک مکمل مسلمان عورت بن چکی ہے اور اسلامی نام ”مریم“ ہے۔ ماہ جولائی 2008ء کو ریڈلی نے میڈیا کو بتایا کہ افغانستان کے بگرام

ہوائی اڈے پر موجود عقوبت خانے میں ایک پاکستانی خاتون قید تھائی کاٹ رہی ہے۔ اس نے مزید بتایا کہ بگرام کے بندی خانے میں صرف ایک خاتون قید ہے جس کی رات کو چھین سنائی دیتی ہیں تو وہاں موجود دوسرے قیدیوں کے دل لرز اٹھتے ہیں۔ وہ خاتون دوسرے قیدیوں کے لیے ایک بھوت بن چکی ہے۔

میں نے جب ریڈیو کا یہ بیان پڑھا تو میرا دل خون کے آنسو رونے لگا اور میں سوچنے لگا کہ پاکستانی شہریت رکھنے والی خاتون کے ساتھ کس طرح امریکی ظالم سلوک کر رہے ہیں اور اُسے کس گناہ کی سزا دی جا رہی ہے؟ ایک عورت امریکہ کے لیے کس طرح دہشت گرد بن سکتی ہے؟ ایک مسلمان خاتون پر آج تک کتنے ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹ چکے ہیں؟ قارئین کرام! آپ تصور کریں کہ ایک مشرقی روایات کی علمبردار مسلمان خاتون کس طرح غیر مسلم کفار کے سامنے التجائیں کرتی ہوگی اور ان سے ضرور یہ سوال پوچھتی ہوگی کہ مجھے پاکستانی شہریت اور مسلمان خاتون ہونے کی وجہ سے یہ اذیتیں دی جا رہی ہیں؟ اب تو وہ اپنی سابقہ یادداشت کھو چکی ہے اور نفسیاتی مریض بن چکی ہے۔ اس کے دل میں یہ خواہش ضرور انگڑائی لیتی ہوگی کہ شاید کوئی پاکستانی مرد ”محمد بن قاسم“ کی شکل میں آئے اور مجھے کفار کی قید سے آزاد کرادے۔ اسے کیا معلوم کہ تمام پاکستانی آج اتنے بے بس ہو چکے ہیں کہ وہ اپنے حکمرانوں کے سامنے احتجاج تک نہیں کر سکتے اور تمام پاکستانی سیاستدان اور حکمران اتنے بے بس اور لاچار 61 سالہ تاریخ میں پہلے کبھی نہ تھے۔ وہ امریکی آقاؤں کو یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اور کیا حکم ہے میرے آقا!

پاکستانی حکمرانوں! تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا۔ مجھے یاد ہے کہ جب ایک امریکی صحافی ڈینیئل پرل کو کراچی میں قتل کیا گیا تو اُسی وقت امریکی حکمران حرکت میں آگئے تھے اور بالآخر اس کے قتل کا ذمہ دار ایمل کانسی کو ٹھہرایا گیا۔ پاکستانی حکمرانوں کی بے حسی اس وقت تمام دنیا کے میڈیا کو دیکھنے میں ملی جب ایمل کانسی کو پکڑ کر امریکہ کے حوالے کر دیا گیا اور اُسے زہر کے ٹیکے لگا

قتل کیا گیا۔ کسی پاکستانی حکمران نے اس کے قتل پر احتجاج نہ کیا۔ اسی طرح آج ڈاکٹر عافیہ صدیقی کفار کی قید میں ہے اور پاکستانی حکمران خاموش تماشا بنے بیٹھے ہیں۔ آخر کیوں؟ اس کیوں کا جواب شاید کسی کے پاس نہ ہو۔

ڈاکٹر عافیہ صدیقی 2 مارچ 1972ء کو کراچی میں پیدا ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کراچی میں حاصل کرنے کے بعد بوٹن یونیورسٹی اور میسی چیوسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی (MIT) امریکہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی نے نیورولوجی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ جب امریکہ میں نائن ایون کا واقعہ پیش آیا تو پاکستان آگئی اور پھر امریکہ واپس چلی گئی۔ 2003ء میں ایک بار پھر پاکستان آئی اور اس دوران ڈاکٹر عافیہ صدیقی نے اپنے چچا سے ملاقات کرنے کے لیے کراچی سے اسلام آباد کا سفر شروع کیا تو راستے میں ہی اپنے 3 بچوں سمیت غائب ہو گئی۔ بعد میں اسے امریکہ کی طرف سے دہشت گرد قرار دیا گیا اور الزام یہ لگایا کہ وہ القاعدہ کی ایک بہت بڑی آپریٹر ہے۔ اس کی تصویر دہشت گردوں کی لسٹ میں شامل کر دی گئی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ ایک دن اسے دہشت گرد قرار دے کر قیدی نمبر ”650“ الاٹ کر دیا جائے گا اور اسے افغانستان کے بگرام ہوائی اڈہ کے بندی خانے میں کفار کے ظلم و ستم برداشت کرنا پڑیں گے۔

ایشین ہیومن رائٹس ایسوسی ایشن نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ بگرام ہوائی اڈے پر موجود بندی خانے میں 650 نمبر قیدی خاتون غالباً ڈاکٹر عافیہ صدیقی ہے۔ اگر وہ واقعی ڈاکٹر عافیہ صدیقی ہے تو پاکستانی حکمرانوں کی غیر اسلامی کے لیے سوالیہ نشان ہے؟ اگر بھارت کے جاسوس ”کشمیر سنگھ“ کو پاکستانی صدر پرویز مشرف معاف کر کے بھارت روانہ کروا سکتے ہیں تو پاکستانی شہریت رکھنے والی خاتون ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو کیوں رہا نہیں کروا سکتے؟

آج مجھے مسلمانوں کی شاندار تاریخ کا وہ واقعہ یاد آ رہا ہے کہ ایک عورت نے حجاج بن یوسف کو خط لکھا تھا اور کہا تھا کہ میری عزت کو خطرہ ہے، میری عزت کون بچائے گا؟ اُس وقت تاریخ کے

صفحات پر مسلمانوں کی جرأت اور غیرت اسلامی کا وہ شاندار واقعہ رقم ہوا جب حجاج بن یوسف نے جرنیل محمد بن قاسم کو لشکر کے ساتھ روانہ کیا تاکہ وہ مظلوم عورت کی پکار پر پہنچ جائیں۔ پھر چشم فلک نے دیکھا کہ محمد بن قاسم غیرت اسلامی سے سرشار دیہل (کراچی) کو فتح کرتا ہوا ملتان کے قلعہ تک پہنچ گیا۔

عورت کا تعلق کسی بھی مذہب، کسی بھی فرقہ سے ہو وہ تمام انسانوں کے لیے قابل احترام ہوتی ہے۔ اُس کی عزت کی حفاظت کرنا تمام انسانوں کا فرض ہے۔ مسلمانو! اُس وقت کو یاد کرو جب ایک عورت شام سے دمشق تک سفر کرتی اور وہ زیور سے آراستہ ہوتی تھی لیکن اُس کی عزت، جان اور مال کو کوئی خطرہ نہ ہوتا تھا۔

پاکستان کے بایسویں! آج کتنے ہی آدمی ہیں جو گوانتا نامو بے، ابو غریب اور بگرام ایئر بیس میں موجود بندی خانوں میں امریکہ کے ظلم و ستم برداشت کر رہے ہیں اور زندگی کی آخری سانسیں لے رہے ہیں لیکن ہمارے حکمران اپنی کرسی اقتدار کو بچانے کے لیے وائٹ ہاؤس کا طواف کر رہے ہیں۔ آج میں پاکستان کے ایوان اقتدار میں بیٹھنے والے سیاستدان اور موجودہ اتحادی جماعتوں کے حکمرانوں سے یہ سوال ضرور پوچھتا ہوں کہ کل قیامت کے دن جب سب سے اعلیٰ و ارفع عدالت خالق کائنات کی ہوگی اور ڈاکٹر عافیہ صدیقی سمیت کتنے ہی مظلوم انسانوں کا ہاتھ ہوگا اور تمہارا گریبان ہوگا۔ اس وقت تم احکم الحاکمین کی عدالت عالیہ میں کیا جواب دو گے؟

امریکہ کی خوشنودی کی خاطر بہت کچھ ہو چکا۔ اکبر بگٹی کو قتل کر دیا گیا۔ باجوڑ ایجنسی میں 30 اکتوبر 2006ء کو امریکہ کی بمباری سے دینی مدرسہ ضیاء العلوم تباہ کر دیا گیا اور 83 بے گناہ بچے شہید کر دیے گئے۔ لال مسجد آپریشن اسلام آباد میں تقریباً 1500 طلباء و طالبات جاں بحق ہو گئے۔ تقریباً 1800 پاکستانی افراد امریکہ کے حوالے ہو چکے۔ مہمند ایجنسی میں موجود پاکستانی چیک پوسٹ پر امریکی حملہ سے ایک میجر سمیت 11 فوجی جوان شہید ہو چکے۔ خود کشیاں بے روزگاری اور مہنگائی

کا پھرتا ہوا اڑدھا پاکستانی عوام کو نگل چکا ہے۔ خدا را پاکستانی حکمران امریکہ کی Do more کی ایسی کوتاہ کر کے پاکستان کی سالمیت کا سوچو۔

آج فیصلہ دنیا میں بسنے والے تمام انسانوں کے ہاتھ میں ہے کہ دنیا میں دہشت گرد کون ہے؟ ایک طرف طالبان ہیں جن کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر برطانوی صحافی ریڈلی (مریم) نے اسلام قبول کیا اور دوسری طرف امریکہ ہے جس کی دہشت گردی سے مسلم ممالک کو تباہ کیا جا رہا ہے۔ آج وقت ہے کہ 59 اسلامی ممالک کے سربراہان مکمل اتحاد کر لیں اور کفار کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بن جائیں تاکہ کسی کو جرأت ہی نہ ہو کہ وہ مسلمانوں کی غیرت اسلامی کو چیلنج کر سکے۔



تین بیماریوں سے بچنے کا

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیوں آئے ہو؟ میں نے عرض کیا میری عمر زیادہ ہو گئی ہے۔ میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں یعنی میں بوڑھا ہو گیا ہوں میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ مجھے وہ چیز سکھائیں جس سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے قبیصہ! صبح کی نماز کے بعد تین دفعہ ﴿سبحان اللہ العظیم و بحمدہ﴾ کہو۔ اس سے تم اندھے پن، کوڑی پن اور فالج سے محفوظ رہو گے۔ اے قبیصہ! یہ دعا بھی پڑھ لیا کرو ﴿اللھم انی اسئلك مما عندک و افض علی من فضلک و انشر علی من رحمئک و انزل علی من برکئک﴾ ترجمہ: اے اللہ! میں ان نعمتوں میں سے مانگتا ہوں جو تیرے پاس ہیں اور اپنے فضل کی مجھ پر بارش کرو اور اپنی رحمت مجھ پر پھیلا دے اور اپنی برکت مجھ پر نازل کر دے۔

(حیاء الصحابہ جلد ۳: صفحہ ۱۷۹)

اسلام کی ترجیحی بنیاد صلح و مفاہمت یا جہاد مولانا عبد الباقی نعمانی

مولانا عبد الباقی نعمانی دارالعلوم قادریہ، چڑیا کوٹ، یوپی (انڈیا) کے مہتمم ہیں۔ مولانا کا درج ذیل مقالہ بالخصوص اہل یورپ اور نا سمجھ مسلمانوں کے لیے دعوت فکر ہے کہ آئیے اسلام میں جہاد کی اہمیت، شرائط اور حدود و قیود ملاحظہ فرماتے ہوئے تعصب کی عینک اتار کر فیصلہ کریں کہ اسلام ہمیں کس موقع پر صلح و مفاہمت کا حکم دیتا ہے اور کس موقع پر جنگ و قتال کا نیز یہ کہ اسلامی فریضہ جہاد کو کس طرح اپنوں اور غیروں نے عدم واقفیت و علمیت کی بنیاد پر طعن و تشنیع کا ذریعہ بنایا ہے۔ درج ذیل مقالہ معروف سنی جریدے ماہنامہ جام نور کے مئی 2004 کے جہاد نمبر سے لیا گیا ہے۔ ماہنامہ جام نور دہلی کے خصوصی شکر یہ کے ساتھ مقالہ حاضر خدمت ہے۔

جہاد کیا ہے؟ شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں کہ جہاد کے معنی لغت میں ”مشقت اٹھانے“ کے ہیں اور اصطلاح شرع میں اعلاء کلمۃ الحق کے لیے کفار کے ساتھ قتال کی مشقت اٹھانے کے ہیں نیز کبھی کبھی جہاد کے معنی یہ بھی آتے ہیں کہ آدمی اللہ کی رضا کے لیے اعمال شاقہ کرے اور نفس کو اس کی مرضی کے خلاف اعمال خیر میں لگائے اور اسے (نفس کو) ذلیل کرے۔

بشرط استطاعت و اجتماع شرائط جہاد فرض کفایہ ہے لیکن اگر دشمن ہجوم کریں (یعنی یکبارگی حملہ کر دیں) تو فرض عین ہے یہاں تک کہ عورتوں پر بھی۔ ۱۔

علامہ کاسانی حنفی فرماتے ہیں کہ جہاد کا شرعی معنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرنے کے لیے جان مال اور زبان کو انتہائی وسعت اور طاقت سے خرچ کرنا ہے۔ ۲۔

علامہ بابر ترقی حنفی صاحب عنایہ اور حضرت کمال ابن ہمام حنفی فرماتے ہیں کہ دین حق کی طرف

دعوت دینا اور جو اس کی دعوت کو قبول نہ کرے اس کے ساتھ جان اور مال کے ساتھ جنگ کرنا جہاد ہے۔ ۱۔

حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ بہار شریعت میں ارقام فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر ضروری ہے کہ کافروں کو دین اسلام کی طرف بلائیں، اگر دین حق کو قبول کر لیں زہے نصیب۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر تیری وجہ سے اللہ تعالیٰ ایک شخص کو ہدایت فرمادے تو یہ اس سے بہتر ہے جس پر آفتاب نے طلوع کیا یعنی جہاں سے جہاں تک آفتاب طلوع کرتا ہے یہ سب ہمیں مل جائے۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ تمہاری وجہ سے کسی کو ہدایت ہو جائے اور اگر کافروں نے دین حق کو قبول نہ کیا تو بادشاہ اسلام ان پر جزیہ مقرر کر دے کہ وہ ادا کرتے رہیں اور ایسے کافر کو ”ذمی“ کہتے ہیں اور جو اس سے بھی انکار کریں تو جہاد کا حکم ہے۔ ۲۔

حکم جہاد: جہاد ابتداً فرض کفایہ ہے کہ ایک جماعت نے کر لیا تو سب بری الذمہ ہو گئے اور سب نے چھوڑ دیا تو سب گنہگار ہیں۔ اگر کفار کسی شہر پر ہجوم کریں (یکبارگی حملہ کر دیں) تو وہاں والے مقابلہ کریں اور ان میں اتنی طاقت نہ ہو تو وہاں قریب والے مسلمان اعانت کریں اور ان کی طاقت سے بھی باہر ہو تو جو ان سے قریب ہیں وہ بھی شریک ہو جائیں۔ ۳۔

اگر کفار ہجوم کر آئیں تو اس وقت (جہاد) فرض عین ہے۔ یہاں تک کہ عورت اور غلام پر بھی فرض ہے اور اس کی کچھ ضرورت نہیں کہ عورت اپنے شوہر سے اور غلام اپنے مولیٰ سے اجازت لے بلکہ اجازت نہ دینے کی صورت میں بھی جائیں اور شوہر و مولیٰ پر منع کرنے کا گناہ ہوا۔ یوں ہی (ایسی صورت میں) ماں باپ سے بھی اجازت لینے اور مدیون (مقروض) کو دائن سے اجازت کی حاجت نہیں بلکہ مریض بھی جائے۔ ہاں پرانا مریض جو کہ جانے پر قادر نہ ہو تو اسے معافی ہے۔ ۴۔

شرائط جہاد: جہاد واجب ہونے کے لیے شرط ہے کہ اسلحہ اور لڑنے پر قدرت ہو اور کھانے پینے کے سامان اور سواری کا مالک ہو نیز اس کا غالب گمان ہو کہ مسلمانوں کی شوکت بڑھے گی اور اگر اس کی امید نہ ہو تو جائز نہیں کہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ ۱۔

جن لوگوں کو دعوت اسلام نہیں پہنچی انہیں پہلے دعوت اسلام دی جائے، بغیر دعوت ان سے لڑنا جائز نہیں اور اس زمانہ میں ہر جگہ دعوت پہنچ چکی ہے ایسی حالت میں دعوت دینا ضروری نہیں مگر پھر بھی اگر ضرر کا اندیشہ ہو تو دعوت حق دینا مستحب ہے۔ ۲۔

عہد توڑنا جائز نہیں: عہد توڑنا مثلاً یہ معاہدہ کیا کہ اتنے دنوں تک جنگ نہ ہوگی پھر اسی زمانہ عہد میں جنگ کی یہ ناجائز ہے۔ ۳۔

مشلہ منع ہے: مثلہ یعنی ناک، کان یا ہاتھ پاؤں کا ٹنایا منہ کالا کر دینا منع ہے یعنی فتح ہونے کے بعد مثلہ کی اجازت نہیں۔ ۴۔

عورت اور بچہ وغیرہ قتل کرنا منع ہے: عورت اور بچہ اور پاگل اور بہت بوڑھے اور اندھے اور لنگھے اور اپانچ اور راہب اور پوجاری جو لوگوں سے ملتے جلتے نہ ہوں یا جس کا داہنا ہاتھ کٹا ہو یا خشک ہو گیا ہو ان سب کو قتل کرنا منع ہے یعنی جب کہ لڑائی میں کسی قسم کی یہ مدد نہ دیتے ہوں۔ ۵۔

صلح کا حکم: اگر صلح مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو تو صلح کرنا جائز ہے، اگرچہ کچھ مال لے کر یادے کر صلح کی جائے۔ صلح کے بعد اگر مصلحت صلح توڑنے میں ہو تو توڑ دیں مگر یہ ضرور ہے کہ پہلے انہیں اس کی اطلاع کر دیں اور اطلاع کے بعد فوراً جنگ شروع نہ کریں بلکہ اتنی مہلت دیں کہ کافر بادشاہ اپنے

۱۔ عالمگیری، درمختار بہار شریعت، جلد: ۹، صفحہ: ۱۳۵

۲۔ درمختار بہار شریعت، جلد: ۹، صفحہ: ۱۳۶

۳۔ بہار ایضاً

۴۔ مجمع الانہر، بہار شریعت، جلد: ۹، صفحہ: ۱۳۷

۵۔ درمختار بہار شریعت، جلد: ۹، صفحہ: ۱۳۷

تمام مالک میں اس خبر کو پہنچا دے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ صلح میں کوئی میعاد نہ ہو اور اگر میعاد ہو تو میعاد پوری ہونے پر اطلاع کی کچھ حاجت نہیں۔ ۱۔

کسی کافر کو امان دینے کا حکم: مسلمان آزاد مرد یا عورت نے کافروں میں کسی ایک کو یا جماعت یا ایک شہر کے رہنے والوں کو پناہ دے دی تو امان صحیح ہے اب قتل جائز نہیں اگرچہ امان دینے والا فاسق یا ادا حایا بہت بوڑھا ہو۔ ۲۔

احکام جہاد: بہت اختصار کے ساتھ جہاد سے متعلق چند ضروری احکام سپرد قلم کر کے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کا مقصد جہاد اور طریقہ جہاد کیا ہے؟ اس پر بھی اجمالاً روشنی پڑ جائے۔

عہد رسالت میں مکی زندگی تو نہایت صبر آزما تھی قدم قدم پر مصائب و آلام نے رکاوٹوں کی دیواریں کھڑی کر ڈالی تھیں لیکن مرضی مولیٰ یہی تھی کہ دین حق غالب ہو ﴿لیظہرہ علی الدین کلہ﴾ اس کا صاف ارشاد ہے۔ ہاں مکہ کی وادیوں میں اسلام کو بے دست و پا اس لیے چھوڑ دیا گیا تاکہ مٹھی بھر مسلمان جو بغیر کسی لالچ اور بغیر کسی خوف کے محض اسلام کی خوبیوں سے متاثر ہو کر اور کفر و بت پرستی سے طبعی طور پر تنفر کی وجہ سے اسلام لے آئے تھے وہ مصائب کی بھٹی میں تپ کر نکھرے سونے سے بھی قیمتی بن جائیں اور ان کا ایمان پہاڑ کی چٹانوں سے بھی زیادہ مضبوط ہو کر اہل کفر کو دعوت فکروں۔

مقام غور ہے کہ سرزمین مکہ پر جب اسلام کا آفتاب طلوع ہوا تو کفار مکہ کو کیا برا لگا یہی ناکہ اہل اسلام ایک خدا کی پرستش کرنے لگے اور جھوٹے خداؤں سے منہ موڑ لیا۔ آخر مسلمانوں نے جو بہت سی تھوڑی تعداد میں تھے نہ مقابلے کی تاب رکھتے تھے اور نہ کافروں کا کچھ بگاڑ سکتے تھے، کافروں کا کیا لیا؟ بلکہ ادھر سے اعلان ہو گیا کہ ﴿لکم دینکم ولسی دین﴾ تمہیں تمہارا دین اور مجھے میرا

۱۔ درمختار بہار شریعت، جلد: ۹، صفحہ: ۱۳۸

۲۔ درمختار عالمگیری، بہار شریعت، ایضاً

دین۔ مگر پھر بھی مکہ کی زمین مسلمانوں پر تنگ کر دی گئی۔ خدا کی زمین پر خدا کی پرستش کو جرم سمجھا جانے لگا اور خدا کے پرستاروں پر مظالم کے پہاڑ توڑے جانے لگے۔ گھروں سے نکالنے کی دھمکیاں دی جانے لگیں، بائیکاٹ کا عمل بھی روارکھا گیا حتیٰ کہ کفار مکہ نے اپنے جھوٹے خداؤں کی قسم کھا رکھی تھی کہ ان مسلمانوں کو اس قدر ستایا جائے گا کہ انہیں اپنے آباؤ اجداد کے مذہب پر واپس آنا ہی پڑے گا۔

انہیں حالات کا جائزہ لیتے ہوئے ضیاء القلم پیر کرم شاہ ازہری رقمطراز ہیں کہ: شیعہ توحید کے ان دل باختہ پروانوں کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک روارکھا گیا اور عام لوگوں پر جو مشق ستم کی جاتی رہی اس کا تو ذکر ہی کیا۔ بڑے بڑے متمول اور رئیس خاندانوں میں سے اگر کوئی نوجوان باطل سے دل برداشتہ ہو کر حق کا دامن پکڑ لیتا تو اس کے بڑے بوڑھے اس پر ظلم و ستم کی حد کر دیتے۔ خاندان بنی امیہ کے روشن چراغ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ان کے چچا کا یہ معمول تھا کہ جانور کے کچے بدبودار چمڑے میں انہیں لپیٹ کر دھوپ میں ڈال دیتا، نیچے سے تانبے کی طرح تپتی ہوئی ریت، اوپر سے عرب کے سورج کی آتشیں کرنیں، اس پر کچے چمڑے کی بدبو۔ ایک عذاب میں اس بڑھے نے بیسیوں عذابوں کو یکجا کر دیا تھا۔ اس طرح اپنے گئے بھتیجے پر دل کی بھڑاس نکالتا پھر بھی دل سیر نہ ہوتا۔

سرور عالم ﷺ کی ذات ستودہ صفات بھی ان کی لرزہ خیز ستم کیشیوں سے مستثنیٰ نہ تھی۔ آوازیں کستا، پھبتیاں اڑاتا، طرح طرح کے جھوٹے الزامات لگا کر دل دکھانا، راستے میں کانٹے بچھانا، حرم پاک میں سجدے کی حالت میں حضور کی مبارک گردن پر بدبودار اوجھ اٹھا کر ڈال دینا، پھر اس پر خوش ہونا اور ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوتے رہنا، یہ ان ظالموں کا روز کا معمول تھا۔ طائف کی شاہراہوں پر اس مربع حسن و دلبری پر جس بے دردی سے انہوں نے سنگ باری کی، شعب ابی طالب میں تین سال کی طویل مدت تک حضور اور حضور کے خاندان کا محاصرہ اور قطع تعلقات، ان کی روح فرسا

حالات کو پڑھ کر کون سادل ہے جو اشکبار نہ ہو جاتا ہوگا؟

ہم و ستم کا یہ جائزہ سلسلہ ہفتہ دو ہفتہ، سال دو سال تک جاری نہیں رہا بلکہ پورے تیرہ سال ان ہالگہ از حالات کا نبی رحمت ﷺ اور حضور کے صحابہ کو سامنا کرنا پڑا۔ وہ ظلم کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کا ہمارا رسول اور اس کے اولوالعزم صحابہ بے مثال صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے رہے۔ کبھی کوئی جوابی کاروائی نہیں کی، کبھی ان کی سنگ دلی کے جواب میں تلخ نوائی تک نہیں کی۔ ادھر سے جو رو جفا کی انتہا ہو رہی تھی اور ادھر سے پیکر ان تسلیم و رضا صبر و استقامت کے پہاڑ بن کر انہیں برداشت کر رہے تھے۔

ان حالات میں کون خود دار انسان ہے جو پھر کر سامنے نہ آجائے اور جان تک کی بازی لگانے پر اپنے کو مجبور نہ پائے۔ چنانچہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفار مکہ کی اذیتوں سے گھبرا کر بارگاہ مصطفیٰ ﷺ میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! جب ہم مشرک تھے تو باعزت ہیں اور اب جب کہ ایمان لے آئے ہیں ان کفار نے ہمیں ذلیل کر ڈالا ہے، ہمیں ان سے جنگ کی اجازت مرحمت فرمائیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اپنے ہاتھوں کو روک رکھو! ابھی تک مجھے ان سے قتال کی اجازت نہیں ملی ہے۔

گویا اہل ایمان کو ابھی بتایا جا رہا ہے کہ ان کے ایمان کو نکھرے سونے کی طرح تابناک بنانے کے لیے ابھی صبر و شکیب کی بھٹی سے گزرا جا رہا ہے۔ ان حالات میں ذرا بھی کچے ایمان کا کوئی بھی ہوتا تو پھسل جاتا اور اس کے پاؤں ڈگمگا جاتے۔ مگر اللہ نے ایمان ان کے دلوں میں نقش فرما دیا تھا اور رسول گرامی و قاری ﷺ کی ایسی محبت اور ان کی اطاعت کا ایسا سچا جذبہ ان کے قلوب میں بھر دیا تھا کہ بغیر مرضی رسول کے وہ از خود کچھ کرنے کے لیے تیار بھی نہ تھے۔

جب جبر و تشدد کی انتہا ہو گئی تو رحمت خداوندی نے رسول ﷺ و مہمان رسول کو مکہ سے مدینہ ۱ ضیاء النبی، جلد ۳۰، صفحہ ۲۳۷ ۲ سیرت زینی و دحلان، بحوالہ ضیاء النبی

ہجرت کرنے کی اجازت دے دی اور صحابہ کرام موقع بموقع مدینہ ہجرت کرتے رہے۔ تین سو میل دور مکہ سے مدینہ جو پہلے یثرب کے نام سے موسوم تھا اس کی طرف ہجرت کرنا آسان نہ تھا۔ ہر طرف کفار گھات میں ہیں، مسلمان بے سروسامان ہیں، عزیز و اقارب میں اکثر ساتھ دینے سے جواب دے چکے ہیں۔ ایسے میں ایمان کی دولت کو لے کر اپنے جسم و جان کو خطرات میں ڈالنا اور مدینہ پہنچنا انہیں عاشقان با وفا کے دل گردے کی بات تھی۔ لیکن حیرت کا مقام تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو مدینہ پہنچنے پر بھی چین سے رہنے نہیں دیا گیا، ان کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع ہو گئیں، انہیں مدینہ سے بھی نکالنے کی تدبیریں سوچی جانے لگیں۔ اس ناپاک مقصد کی تکمیل کے لیے کفار مکہ نے اپنے حلیفوں کو جو مدینہ میں تھے اکسانا شروع کیا۔ انہیں دھمکیاں دیں کہ اگر ان مسلمانوں کو مدینہ سے نہیں نکالتے تو ہم تمہارے اوپر حملہ کر دیں گے۔ ہمارے جنگجو تمہارے جوانوں کو تہہ تیغ کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کو اپنی لونڈیاں بنا لیں گے۔

جب یہ خبر عبد اللہ بن ابی اور اس کے بت پرست ساتھیوں کو ملی تو انہوں نے حملے کی ٹھان لی۔ اس کی اطلاع جب رسول پاک ﷺ کو ملی تو حضور ان سے ملنے کے لیے ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں فرمایا کہ اگر قریش مکہ کی دھمکی سے مرعوب ہو کر تم ہم سے جنگ کرو گے تو تمہیں زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا نسبت اس کے کہ تم اہل مکہ سے جنگ کرو۔ کیوں کہ وہ تمہارے رشتہ دار نہیں، تمہارے قبیلے کے افراد نہیں۔ سر کا ﷺ کی یہ بات انہیں سمجھ آ گئی اور جنگ کا ارادہ ترک کر دیا۔

یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر کو جب یہ دھمکی ملی تو انہوں نے اہل اسلام سے جو معاہدہ امن کیا تھا اسے توڑ دیا۔ تب حضور اقدس ﷺ نے بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا اور ان سے فرمایا بخدا جب تک معاہدہ نہ کرو گے میں تمہیں امن نہیں دوں گا۔ انہوں نے معاہدہ امن سے انکار کیا تو ان سے جنگ ہوئی۔ پھر بنو قریظہ کو معاہدہ امن کی دعوت دی تو انہوں نے بھی انکار کیا۔ جب معاہدے سے انکار کیا تو ان سے بھی جنگ ہوئی اور انہیں شکست کھانا پڑی۔ کفار مکہ کی جب یہ سازش بھی ناکام ہوئی تو انہوں نے براہ

راست دھمکی آمیز خط لکھا کہ مسلمانو! خوش نہ ہو کہ تم ہمارے چنگل سے نکل کرو ہاں (مدینہ) پہنچ گئے اور کھو! ہم تمہاری بستی پر چڑھائی کریں گے اور تم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے سب کو تہہ تیغ کر کے رہیں گے۔

ان حالات میں کیا مسلمان ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کرتے کہ کس طرح تند و تیز آندھیاں مخالفت میں اٹھ رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ مخالفت کی آگ سرد کرنے کے لیے کچھ کرنا ضروری تھا کیونکہ رسول گرامی ﷺ کی بعثت کا اصل مقصد تو اعلاء کلمۃ اللہ تھا اور خدا کی توحید کا غلغلہ بلند کرنا تھا۔ اسلام جو دین فطرت و سلامت تھا اس کا پھر بے سارے عالم پر لہرانا تھا لہذا اس راہ کی رکاوٹوں کو دور کرنا بھی اہم مقاصد میں شامل ہو گیا۔ پھر کیا تھا دین حق کی تبلیغ و اشاعت میں جو بھی روڑا بنتا اسے دعوت اسلام دی جاتی۔ اگر اسے قبول نہ کیا جاتا تو معاہدہ امن کی باتیں پیش کر کے امن عامہ کو بحال رکھنے کی کوششیں کی جاتیں۔ جب ہر تدبیر فیل ہو جاتی تو پھر آخری کام جہاد تھا کہ اس کے بغیر کاروان حق آگے بڑھ ہی نہیں سکتا تھا۔ ان حالات میں اسلام کا پرچم لہرانا تقریباً ناممکن تھا چونکہ دین اسلام خدا کا دین تھا اور برحق تھا۔ اس کو علی الاعلان پھیلانے کا حکم بھی خدا ہی نے دیا تھا اس لیے اس میں غفلت کرنا بھی جرم تھا۔ اس ضروری مقصد کی تکمیل کے لیے راہ کی رکاوٹوں کو دور کرنا ضروری تھا اور یقیناً یہ آج بھی اپنی جگہ باقی ہے۔ باقی رہی آج کی دہشت گردی اس کو اسلامی جہاد سے کوئی سروکار نہیں۔ کیوں کہ نہ آج اسلامی اصولوں پر دعوت اسلام دی جاتی ہے نہ معاہدہ امن کی اپیل ہوتی ہے نہ بادشاہ اسلام کی طرف سے باضابطہ کوئی اذن جہاد ہوتا ہے اور نہ ہی اعلاء کلمۃ الحق کو مقصود بنایا جاتا ہے نہ ہی شوکت مسلمین کی فکر کی جاتی ہے بلکہ بعض نا عاقبت اندیش جو جہاد کرتے ہیں اس سے مسلمانوں کی اور تذلیل ہی ہوتی ہے۔

اسلام میں نقص عہد کا بہت بڑا وبال بیان کیا گیا ہے۔ میدان جنگ ہو یا ہنگام امن ہر حال میں عہد سے روکا گیا ہے قرآن حکیم میں ہے کہ ﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ

مسنو لا۔ اور عہد پورا کرو بیشک عہد سے سوال ہونا ہے۔

اگر کوئی قوم جو کافر ہے تشدد کی راہ نہیں اختیار کرتی بلکہ صلح و امن کی خواہاں ہے تو اس سے معاہدہ امن اور صلح کر لینی چاہیے۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں ہے ﴿وَإِنْ جُنَحُوا لِلْإِسْلَامِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ ۱ اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ یعنی اگر کفار جنگ کے بدلے صلح پر آمادہ ہوں تو امام وقت یا بادشاہ اسلام کو چاہیے کہ خوں ریزی سے ہاتھ اٹھالے اور صلح کر لے۔ یہ حکم امیر یا سلطان سب کے لیے برابر ہے یعنی اگر صلح میں مصلحت سمجھے تو صلح کرے۔ ہاں! مصلحت کسی اور طرف ہو تو اس کی بھی اجازت ہے۔ ہر دو صورت میں اللہ پر بھروسہ ضروری ہے۔ اپنی حکمت و مصلحت اور شان و قوت کو ہی سب کچھ نہ سمجھ لے اور سورۃ نساء میں بھی یہی بات اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ﴿فَإِنْ اعْتَصَلُواكُمْ فَقَاتِلُوا كُفْرًا﴾ ۲ اور صلح کا پیام ڈالیں تو اللہ نے تمہیں ان پر کوئی راہ نہیں رکھی (یعنی اب جہاد کی اجازت نہیں) اور جو صلح نہ چاہیں لڑائی سے باز نہ آئیں ان سے جہاد کی اجازت ہے۔ جب کہ اسی سورۃ نساء میں آگے ارشاد ہے۔ ﴿فَإِنْ لَمْ يَعْزِلُوا عَنْكُمْ وَلِقُوا الْيَوْمَ الْيَوْمَ يَكْفُوا إِلَيْهِمْ فَجْذِبُوهُمْ وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأُولَئِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مَبِينًا﴾ ۳ پھر اگر وہ تم سے کنارہ نہ کریں (اور جنگ سے باز نہ آکر) صلح کی گردن نہ ڈالیں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو۔ ان واضح ارشادات کے باوجود بھی اگر کوئی اسلام پر دہشت گردی کا الزام لگائے تو وہ خود بہت بڑا دہشت گرد ہے ورنہ اسلام کا چہرہ آج بھی صاف و شفاف ہے۔

قرآن کریم میں جہاد و قتال سے متعلق متعدد آیات ہیں اور تمام آیتوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ

۱۔ بنی اسرائیل پارہ: ۱۷ آیت: ۳۴

۲۔ انفال پارہ: ۸ آیت: ۶۱

۳۔ نساء پارہ: ۴ آیت: ۹۰

۴۔ نساء پارہ: ۴ آیت: ۹۱

کرنا ہوگا کہ اسلام کیا چاہتا ہے۔ ان میں ہر ہر آیت کا اپنا الگ پس منظر اور شان نزول ہے اس پس منظر سے ہٹ کر کسی آیت کو پورے طور پر نہیں سمجھا جاسکتا چونکہ جیسے حالات تھے ویسے ہی احکام نازل ہوئے۔ جہاد سے متعلق تمام آیات کا ایک ہی مفہوم ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک کا مقصد نزول ایک نہیں ہے۔ جہاد سے متعلق ساری آیات کو پیش کرنا کسی مختصر مقالے میں مشکل ہے۔ اس کے لیے ضخیم کتاب کی طرح ڈالنی پڑے گی۔

بہر حال آج ضرورت ہے کہ جہاد سے متعلق جملہ آیات اور احادیث کو ان کے پس منظر کے ساتھ یکجا منظر عام پر لایا جائے تاکہ ایک طرف تو مخالفین و معترضین کے بے بنیاد اور معاندانہ اعتراضات کے جوابات دیے جاسکیں اور دوسری طرف مسلمانوں کے اندر سے آج جو جذبہ جہاد ختم ہوتا جا رہا ہے اس کو بھی بیدار کیا جاسکے۔

آج مسلمانوں پر ہر طرف سے جو کفر کی یلغار ہے وہ اسی لیے ہے کہ مسلمان جذبہ جہاد سے عاری ہوتے جا رہے ہیں۔ تن آسانی، عیش کوئی، دنیا پروری اور حب دنیا نے ہمیں مقصد سے بہت دور کر دیا ہے۔ آج اپنے اپنے ملکوں کی حفاظت کے لیے تو بیٹا فوجیں نظر آتی ہیں لیکن اسلام کی حفاظت اور اس کی اشاعت کے لیے دنیا میں کوئی فوج نظر نہیں آتی۔ گویا ملک اور دنیا کی قیمت ہمارے نزدیک زیادہ ہو گئی ہے اور آخرت اور دین کی فکر ہم سے رخصت ہو جاتی ہے۔ آج اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کیے جا رہے ہیں ان کا سختی سے جواب دینے والا کوئی نہیں۔ آج پوری دنیا میں اپنی اپنی حکومت اور اقتدار کا جھگڑا چل رہا ہے، سب اپنی اپنی حکومت بچانے کے چکر میں ہیں۔ اسلام پر کیسا ہی حملہ ہو جائے مقامات مقدسہ پر نازیبا حرکتوں کو روکا کھا جائے، ان کی بے حرمتی کی جائے حتیٰ کہ غصب کر لیا جائے مگر آج کی حکومت جو نام نہاد اسلامی حکومت ہے اس کے لیے کچھ کرنے کو تیار نہیں۔ آج مسلمانوں پر جو مظالم پوری دنیا میں توڑے جا رہے ہیں کوئی نام نہاد اسلامی حکومت اس سلسلے میں بھی کچھ کرتی اور سوچتی نظر نہیں آتی بلکہ اٹے دشمنان اسلام و مسلمین کی ہی مدد

کرتی ہے۔ جیسا کہ ابھی عراق و افغانستان پر ناجائز اور بے بنیاد امریکی حملے کے وقت دیکھنے کو ملا کہ پاکستان، سعودیہ اور ایران سب نے یا تو خاموشی اختیار کی یا پھر ظالم ہی کی مدد کی گویا کہ مارنے والوں کا ساتھ دینا نہ کہ مرنے والوں کا۔

آج کتنے مسلمان ہیں جو جانتے ہی نہیں کہ جہاد بھی فرض ہے۔ اسلام کے اس ایک اہم رکن کی ادائیگی تو دور کی بات ہے اس کے مسائل تک بھی جاننے کے لیے کوئی فکر اور بیداری نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ جہاد حسب استطاعت ہی فرض ہے اور ہر جگہ بھی فرض نہیں، کبھی فرض عین ہے تو کبھی فرض کفایہ۔ اللہ کے راستے میں شہید ہونا تو سرکارِ دو عالم ﷺ کو اس قدر پسند تھا کہ فرماتے: میں چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں شہید ہوں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید ہوں پھر زندہ کیا جاؤں۔ آج یہ جذبہ کہاں ہے؟ آج یہ شوق شہادت کہاں ہے؟

غرض جہاد: الغرض اسلام کی غرض و غایت جہاد سے ”اعلاء کلمۃ الحق“ ہے پھر صلح والوں سے صلح اور جنگ والوں سے جنگ لیکن معاہدہ اور عقد ذمہ کا مکمل پاس ضروری ہے۔ عہد شکنی سے اجتناب اور رضائے الہی مطمع نظر ہو۔ جن لوگوں نے دنیا کو ہی سب کچھ تصور کر لیا ہے ان کو جہاد کا معنی سمجھنا بہت مشکل ہے۔ ایسے ہی کفار و مشرکین بھی جہاد کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ہاں! جہاد کے مفہوم سے آشنا رہنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی پہلے تو حید کا قائل ہو اور اس بات پر یقین کر لے کہ اس دنیا کا خالق ایک اللہ ہے اور صرف وہی اکیلا عبادت کے لائق ہے۔ اس کی عبادت سے منہ موڑنا، دوسرے کسی جھوٹے خدا کی پرستش کرنا سراسر جہالت ہی نہیں بلکہ کھلی بغاوت ہے اور باغی کا انجام بُرا ہی ہوتا ہے۔ اس کا رخانہ عالم اور وسیع و عریض دنیا کا جب کوئی خالق و مالک ہے تو اس کی حکم عدولی کر کے اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کرنا، یقیناً بہت بڑا جرم ہے اور ظلم عظیم بھی۔ ہاں! مگر یہ کہ مجرم اپنے آپ کو گرفتار کر دے، پناہ لے لے تو اس کو تھوڑی دیر کے لیے چھوڑا جا سکتا ہے اور یہی ہے دنیا میں ان کو چھوڑے رکھنا ورنہ پھر ان کا انجام آخرت میں بہت ہیانک ہے۔

اس سے مکمل چھٹکارے کے لیے ہی تو دنیا میں سچی توبہ ضروری ہے ورنہ اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے وہ اس کے ساتھ جیسا چاہے گا سلوک کرے گا۔ ہاں! اس کا اعلان یہ ضرور ہے کہ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ الْإِشْرَاقَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا اور اس کے علاوہ گناہوں کو جس سے چاہے معاف فرمادیتا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ﴿إِنَّ الشُّرَكَاءَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔



گزشتہ شمارے کے انعامی مقابلے کے جوابات

- مرزا قادیانی کے بیٹے ”فضل احمد“ نے اپنے باپ کی خود ساختہ نبوت کا انکار کرتے ہوئے اس کے کذب پر مہر ثبت کی۔
- مرزا قادیانی نے براہین احمدیہ کی پچاس جلدیں لکھنے کا وعدہ کر کے پانچ لکھیں اور بقیہ جلدوں کی ایڈوانس قیمت وصول کرنے کے باوجود یہ یہاں تراشہ کہ پانچ اور پچاس میں ”صفر“ کا فرق ہے لہذا پانچ کو پچاس پر محمول کیا جائے۔
- مرزا قادیانی 26 مئی 1908ء بروز منگل لاہور کے برائڈر تھر روڈ کی ایک بلڈنگ سے واصل جہنم ہوا۔ بوقت گوج مرزا کو قے آئی اور دجال قادیان عارضی بنائی گئی لیٹرین میں اپنی ہی غلاظت پر اوندھے منہ گر پڑا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کے آخری درجے میں جا پانچا۔
- حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری نے مرزا قادیانی کی موت کی پیش گوئی کی تھی۔

﴿گزشتہ شمارے کا انعام حاصل کرنے والے خوش نصیب﴾

﴿محمد وسیم لاہور﴾ ﴿حافظ محمد صدیق لاہور﴾ ﴿محمد شکیل حاصل پور﴾

﴿محمد ریاض جھنگ﴾ ﴿محمد عابد لاہور﴾

دنیا کی ایک عظیم ضرورت جہاد ہے

ڈاکٹر جوہر مبارک شفیق آبادی

عنوانِ زندگی کی عبارت جہاد ہے حقانیت کی شان عبادت جہاد ہے
 ذہنوں میں زندہ رہنے کی حکمت جہاد ہے دنیا کی ایک عظیم ضرورت جہاد ہے
 دشمن سے انتقام کا خنجر نہیں جہاد
 پیغامِ شائق ہے ستم گر نہیں جہاد
 ظلمت میں روشنی کا تقاضا جہاد ہے راہِ عمل میں ہوش کا آنا جہاد ہے
 ہر لمحہ حیات سجانا جہاد ہے راہِ خدا میں خود کو مٹانا جہاد ہے
 میدانِ کربلا کی کہانی جہاد ہے
 اللہ کی عطا کی نشانی جہاد ہے
 دل پر گرفت، نفس پہ قابو جہاد ہے آہِ رساں، غریب کا آنسو جہاد ہے
 ہر فیصلہ خلوص کا پہلو جہاد ہے سر چڑھ کے بولتا ہوا جادو جہاد ہے
 دشمن سے انتقام کا جذبہ نہیں جہاد
 ذاتی مفاد کا کوئی چرچا نہیں جہاد
 سچ بات پر یقین کی فطرت جہاد ہے عزت کے ساتھ مرنے کی ہمت جہاد ہے
 انسانیت کی رازِ حقیقت جہاد ہے گلزارِ ہست و بو کی نعمت جہاد ہے
 آئینہ حیات کا جوہر جہاد ہے
 حکمِ خدا، عزمِ پیہر جہاد ہے

مجاہد ختم نبوت ڈاکٹر عامر لیاقت

محمد وحید نور

ڈاکٹر عامر لیاقت حسین 5 جولائی 1971ء کو کراچی میں شیخ لیاقت حسین کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کے نانا سردار علی صابری نے بانی پاکستان محمد علی جناح کو ”قائد اعظم“ کا لقب دیا۔ ”اسلام اور دہشت گردی“ کے موضوع پر لکھے جانے والے مقالہ پر عامر لیاقت ”ڈاکٹر عامر لیاقت“ بن گئے۔ ڈاکٹر عامر نے شروع ہی سے فنِ خطابت کے خوب جوہر سیکھے اور جلد ہی اچھے مقرر کے طور پر متعارف ہوئے۔ آپ ”ینگ ڈیپٹیٹرز سوسائٹی“ کے بانی ہیں۔ اس کے علاوہ اندرون و بیرون ملک کئی مقامات پر اپنی شعلہ بیانی کی جھلک دکھاتے ہوئے متحدہ عرب امارات (U.A.E) کے ”ریڈیو ایشیا“ کے ڈائریکٹر اور اردو کے بہترین نیوز کاسٹر مقرر ہوئے۔

ڈاکٹر عامر لیاقت کو لسانی تنظیم ایم کیو ایم (M.Q.M) سے وابستگی وراثت میں ملی تھی۔ ایم کیو ایم نے ان کے فنِ صحافت پر عبور کو اپنے ترجمان ”پرچم“ میں استعمال کیا۔ بعد میں آپ روزنامہ ”جنگ“ اور اس کے ٹی وی چینل ”جیو“ سے وابستہ ہو گئے۔ دورِ پرویز میں M.Q.M کی ٹکٹ پر NA-249 کھارادر سے M.N.A منتخب ہوئے۔ صدر پرویز کو جب ”روشن خیال اسلام“ کا شمار اٹھا تو ڈاکٹر عامر لیاقت کو روشن خیال مسلمان کے طور پر متعارف کروایا گیا۔ جلد ہی آپ پرویز مشرف کے پیاروں بلکہ آنکھ کے تاروں میں شامل ہو گئے اور وزارت مذہبی امور و کواۃ عشر آپ کی جھولی میں ڈال دی گئی۔

مشرف کے محبین میں شامل ہونے کے بعد ڈاکٹر عامر لیاقت نے بعض باتیں ایسی بھی کہیں جو قطعاً نہیں کہنی چاہیے تھیں بلکہ کسی بھی مسلمان کو کہنا زہیہ نہیں دیتی تھیں لیکن نشہ اقتدار و شہرت کے

آگے کی چلتی ہے؟ کچھ عرصہ تاریک وادیوں میں بھٹکنے کے بعد اللہ رب العزت نے ڈاکٹر عامر لیاقت کو روشنی کی کرن دکھائی۔ بس پھر کیا تھا ڈاکٹر عامر لیاقت کی کایا ہی پلٹ گئی وہ مشرف کے روشن خیال اسلام کے پرچار کو چھوڑ کر حقیقی اسلام کی طرف لوٹ آئے۔ وہ اپنے ٹی وی پروگرام ”عالم آن لائن“ میں جب اسلام کے حقیقی مسائل پر روشنی ڈلواتے تو پرویز و الطاف کو ان کی یہ باغیانہ اداب بالکل نہ بھاتی لیکن چار و ناچار انہیں برداشت کرنا پڑا۔ سال گزشتہ جب گستاخانہ خاکوں کی اشاعت ہوئی اور اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد ملعون سلمان رشدی کو ”سر“ کا خطاب ملنے کی خبر آئی تو ڈاکٹر عامر لیاقت نے رشدی اور اس کے آقاؤں کے خلاف ایک گرامر پروگرام کر ڈالا۔ الطاف حسین کو ڈاکٹر عامر کی یہ ”جسارت“ بالکل برداشت نہیں ہوئی چنانچہ انہوں نے حق نمک حلائی ادا کرتے ہوئے ڈاکٹر عامر لیاقت سے فوراً وزارت سے استعفیٰ طلب کر لیا۔ ڈاکٹر عامر لیاقت نے ”ایک استعفیٰ انہیں بلکہ ہزاروں استعفیٰ آقا ﷺ کی نگین پاک پر قربان“ کا نعرہ لگا کر دنیاوی وزارت و عہدے سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

رواں برس ”7 ستمبر“ یوم تحفظ ختم نبوت کے طور پر پورے پاکستان میں منایا گیا۔ ڈاکٹر عامر لیاقت نے بھی اپنے پروگرام کے فارمیٹ کو اسی مناسبت سے ترتیب دیا۔ اپنے پروگرام میں انہوں نے مدعو کیے گئے علماء کرام سے مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت و نزاکت اور فتنہ قادیانیت کی بابت گفتگو کی جسے ہر محب وطن پاکستانی نے بڑی محبت و گرمجوشی سے پسند کیا۔ تمام پاکستانی اس پروگرام کے نشر کیے جانے پر خوش تھے سوائے محترم الطاف حسین کے۔ الطاف حسین صاحب کو اپنے برطانوی آقاؤں کی ناراضگی کا ڈر کھائے جا رہا تھا چنانچہ انہوں نے پہلی ہی فرصت میں ڈاکٹر عامر لیاقت کو M.Q.M کی رکنیت سے ہی خارج کر دیا۔

M.Q.M سے اخراج ہی ڈاکٹر عامر لیاقت کا حضور پر نور خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ اقدس میں مقام کو ظاہر کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ڈاکٹر عامر لیاقت کا اندراج اپنے محافظین و محبین میں فرمایا

ہے۔ ﴿اللهم زد فزدا﴾ یہی وجہ ہے کہ آقا ﷺ کی عطاؤں کے آگے ڈاکٹر عامر لیاقت کا سر شرم سے جھک گیا ہے اور انہوں نے اپنے سابقہ ”تمام گناہوں“ سے اعلانیہ توبہ کرتے ہوئے اپنی بقیہ زندگی اللہ رب العزت کے عاجز بندے، خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کے ادنیٰ سپاہی اور صحابہ کرام و اہلبیت رضی اللہ عنہم کے عاشق صادق کے طور پر گزارنے کا عہد کیا ہے۔

آمین بجاہ (الشیخ) (الکریم) ﷺ



تحفظ ختم نبوت کانفرنس

فدایان ختم نبوت پاکستان کے زیر اہتمام 7 ستمبر بروز جمعرات جامعہ رسولیہ شیرازیہ سردار چپل چوک لاہور میں عظیم الشان تحفظ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کے محرک مجاہد اہل سنت حضرت مولانا صاحبزادہ رضائے مصطفیٰ نقشبندی تھے۔ کانفرنس کی صدارت شیخ الحدیث مفتی گل احمد خان عقیلی نے کی۔ مقررین میں فدایان ختم نبوت کے مرکزی امیر شیخ الحدیث حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی، ناظم اعلیٰ خطیب پاکستان حضرت مولانا حافظ خان محمد قادری، تنظیم المدارس کے ناظم اعلیٰ مفکر اسلام حضرت مولانا ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی اور جامعہ رسولیہ شیرازیہ کے ناظم اعلیٰ مجاہد اہل سنت حضرت مولانا صاحبزادہ رضائے مصطفیٰ نقشبندی وغیرہ شامل تھے۔ نقابت کے فرائض مولانا محمد علی رضوی نے انجام دیے جبکہ ترانہ ختم نبوت مولانا دین محمد سندھی نے والہانہ انداز میں پیش کیا۔ رمضان المبارک کی مصروفیات کے باوجود کانفرنس بحیثیت مجموعی ہر لحاظ سے کامیاب رہی۔ اللہ رب العزت نبی کریم خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کے طفیل کانفرنس کے انعقاد اور کامیابی میں دام، درم، قدم، سخن تعاون کرنے والے تمام حضرات کو دارین کی سعادتیں عطا فرمائے۔ آمین بجاہ (الشیخ) (الکریم) ﷺ



ڈاکٹر صاحب کا تعارف ”ڈاکٹر عامر لیاقت مجاہد ختم نبوت“ میں گزر چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا درج ذیل مضمون آیت قرآنی ﴿عقل بعد ذلک ذنیم﴾ کو مد نظر رکھ کر پڑھا جائے تو ڈنمارک کے گستاخ کارٹونسٹ اور اس کے ہمنواؤں کی حقیقت سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔

ڈنمارک بڑا ہی عجیب و غریب ملک ہے۔ یہاں کی 64 فیصد آبادی آج تک اپنے صحیح باپ کا نام معلوم نہیں کر سکی۔ اس ملک کے ایک بادشاہ ”فریڈریک پنجم“ جنہوں نے 13 مارچ 1723ء سے 13 جنوری 1766ء تک ڈنمارک اور ناروے پر حکومت کی، پانچ بیٹے کئے ناجائز بچوں کے باپ ہونے کی وجہ سے بھی ”پنجم“ کہلاتے ہیں۔ اُن کا ”عقد ظاہری“ ڈیوک آف برنس وک لیونیبرگ البرٹ دوم کی صاحب زادی ”جولیا ناماریا“ سے ہوا تھا۔ تاہم اپنے ملک میں حرام کی افزائش کی لاج رکھتے ہوئے بادشاہ سلامت خاتون اول کی موجودگی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ”ایلس ہینسن“ نامی خاتون دوم سے بھی ”خفیہ ملاقاتیں“ کرتے رہے۔ اس کے سبب پانچ نسب ظاہر ہو گئے جن سے آگے چل کر حرام کاری کے رواج کو شاہی تقویت اور ایسے لا تعداد ناجائز بچوں کی پیدائش کو تاریخی فروغ ملا جس کا سلسلہ آج تک بلا کسی شرم و حیا ڈنمارک، سویڈن، آسٹریا، ناروے، جرمنی، ہالینڈ اور ان جیسے دیگر ممالک میں ”گوری اور سینہ زوری“ کے ساتھ جاری ہے جس کے نتیجے میں ”فلیمنگ روز“ اور ”کرت ویسٹر گارڈ“ جیسے ولد الزنا بے نکاحی ماؤں سے دھڑا دھڑ پیدا ہو کر اپنے بد ذات ہونے کی سندیں لیتے اور دیتے پھر رہے ہیں۔ سچ پوچھیے تو مجھے ان جیسوں کی بروہتی ہوئی پیدائش پر ذرا بھی اگست خانہ خاؤں کا مصورا رہا پشور

حرام نہیں کیونکہ ایک باپ سے ہونے کے لیے ایک ماں اور دس بچوں کو بیک وقت پیدا کرنے کے لیے کئی ماؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔ صرف ماؤں کی باپ کون کون ہیں یہ جاننا اور دیکھنا ضروری نہیں۔ یہاں مقابلہ تعداد کا ہے اعداد کا نہیں۔ وعدے کے مطابق اس سمتی، گھنٹی دنیا میں ایسے بے ہودہ اور شرم ناک واقعات کا ناجائز اولاد کی شکل میں ظہور پذیر ہونا کوئی اچھے کی بات بھی نہیں البتہ ماہوں سے نا آشنا یہ نطفات نا تحقیق جب ہرزہ سرائی، ہڈیاں، ٹھٹھول اور استہزایا تراشیں تو بہتر یہی ہے کہ انہیں مسل دیا جائے۔ اگر فی الوقت یہ ممکن نہ ہو سکے تو کم از کم انہیں اس کام پر ضرور لگا دینا چاہیے کہ وہ اپنے اصلی باپ کی تلاش میں اپنی اپنی ماؤں سے اُن کی زندگی کے دن اور راتوں میں وقتاً فوقتاً آنے والوں کا حلیہ پوچھ کر فی الفور ایسے خا کے بنائیں جو باپ تک پہنچنے میں اُن کی مدد کر سکیں تاکہ دنیا کو بھی تو پتہ چلے کہ اس قدر غلیظ اور نفیض و نفرت کی رطوبت سے انا ہوا یہ بچہ آخر ہے کس کا؟

گوکہ ڈنمارک میں ہر ناجائز بچہ ایک لینڈ مارک کی حیثیت رکھتا ہے مگر اس کے علاوہ بھی اس ملک کی کئی ایسی پوشیدہ خصوصیات ہیں جو صرف اُن ہی کو معلوم ہیں آپ کو اور مجھے نہیں۔ انہی خصوصیات کی وجہ سے یہ ملک اپنی ایک علیحدہ اور منفرد شناخت رکھتا ہے۔ یہاں کی ساحلی پٹی جو تقریباً 7000 کلومیٹر پر محیط ہے، اس کے صرف چند کلومیٹر ”مہذب مقامات“ کو چھوڑ کر بیشتر حصوں پر جسم کے حصوں کو ڈھانپ کر چلنا معیوب اور فطرت کے تقاضوں کے برخلاف سمجھا جاتا ہے۔ ڈینش قوم کی ”دانش“ کے مطابق کیونکہ فطرت بے لباس ہے، اُسے کپڑوں کی حاجت نہیں لہذا فطرت کی سب سے اعلیٰ تخلیق انسان کو کپڑوں کی کیا ضرورت؟ صرف منہ اٹھائیے (اس کا مطلب ہے کہ کپڑے بالکل نہ اٹھائیے) اور جہاں جی چاہے ”لباس فطرت“ میں نکل جائیے۔ اس پر بالکل غور نہ کیجیے کہ درخت کو پتوں اور شاخوں نے ڈھانپ رکھا ہے، زمین نے گرد اور مٹی اوڑھ رکھی ہے، آسمان نے بادلوں سے حیا کو برقرار رکھا ہے، سمندر اپنے حسن کو لہروں کی جھاگ سے چھپاتا ہے اور پھل چھلکوں کی مدد سے اپنی خوبصورتی کو محفوظ رکھتا ہے۔ آپ صرف ڈنمارک کے ساحلوں، تفریحی مقامات،

مخصوص باغات اور بے شرم کھدروں میں دیدہ دلیری سے نگ دھڑنگ گھومیے ممکن ہے کہ یونہی چلتے چلتے ابو بھی یہیں مل جائیں!

معروف سعودی اسکالر ڈاکٹر محمد علی العارنی کا کہنا ہے کہ ”انسان اور جانور کے درمیان بڑا اور واضح فرق ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ انسان اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پا سکتا ہے اور جانور اس صلاحیت سے قطعاً عاری ہیں۔ اسی لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ایک مقام پر خود سرسروش اور ذلت کی پستی میں دھنسے ہوئے کافروں کو مخاطب کرتے ہوئے انہیں چوپائے سے بھی بدتر قرار دیا۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ ایسے انسان عبادت و ریاضت سے بے نیاز جب جی چاہتا ہے سو جاتے ہیں اور جب من چاہتا ہے اٹھ جاتے ہیں۔ ان کی زندگیاں ذکر کے کیف اور تسبیح کے سرور سے خالی ہیں اور شاید اسی بناء پر ڈنمارک کے یہ چوپائے نما انسان قدرت و فطرت کی حدود و قیود سے بے فکر جب اور جہاں جی چاہتا ہے منہ مار لیتے ہیں۔ زنا کی خواہش مچلتی ہے تو زنا کر لیتے ہیں اور جس طرح کے جنسی تعلقات کے خواہاں ہوتے ہیں ویسے ہی قائم کر لیتے ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ یہ جائز ہیں یا ناجائز، حرام ہیں یا حلال، اخلاق کے دائرے میں ہیں یا بد اخلاقی کے حاشیے میں۔ اسی وجہ سے آپ ان کے ہاں ہم جنسی پرستی کے احیا اور اُسے ترقی و عروج کی منزلوں تک لے جانے کے لیے اُن میں ایک جنون پائیں گے۔“

ان تمام قبیح رواجوں سے کہیں آگے ڈنمارک کا محکمہ ثقافت و سیاحت یہ بات بڑے فخر سے کہتا ہے کہ ”ہمارے ملک میں انسان حقوق کا تو کیا کہنا جانوروں کے معاملے میں بھی اس حد تک آزادی ہے کہ بعض سرکاری و غیر سرکاری ادارے اُن زکوتوں، گدھوں اور سوروں کو تلاش کرتے ہیں جن کی مادہ نہیں ہے یا مرگئی ہے (یا یوں سمجھ لیجیے کہ آج کل فارغ ہیں) اور پھر رضا کارانہ طور پر ہمارے ملک کی عورتیں اُن سے باقاعدہ شادیاں کرتی ہیں اور شادی کے دستاویزات کے مطابق آدھی جائیداد ایہ گفتگو آپ www.youtube.com/watch?v=5bbkk47cu61 پر سن سکتے ہیں۔

یہی اُن کتوں، گدھوں اور سوروں کا قانونی حق قرار پاتی ہے۔ ہمارے نزدیک جانوروں کی تنہائی اور کرنے کا اس سے بہتر طریقہ پوری دنیا میں کہیں اور رائج نہیں ہے۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی جان لیجیے کہ ڈنمارک illegitimate بچے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اس بچے کی ماں اپنے بوائے فرینڈ سے تعلقات کے باعث حاملہ ہوئی تھی۔ اُن کی سرکاری ویب سائٹ کے مطابق ہسپتال میں ایسی ماؤں سے ڈاکٹر کا زیادہ سوال وجواب کرنا بھی خلاف قانون ہے۔ ایسے بچے کی رجسٹریشن کرتے ہوئے جب ڈاکٹر ماں سے دریافت کرے کہ ”اس بچے کا باپ کون ہے؟“ اور اگر ماں صرف اتنے پر ہی اکتفا کرے کہ ”مجھے نہیں معلوم“ تو ڈاکٹر کو فوراً خاموش ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ یہ بچہ پیزا ڈلیور کرنے والے کا، کسی کمپنی کے ڈائریکٹر کا، کلرک کا یا پھر ایسی ڈرائیور کا ہی ہو۔ ایسی صورت میں ولدیت کے خانے میں خاموشی سے ”خانہ خراب“ لکھنے کے بعد ڈاکٹر کو ایسی ہی کسی دوسری ڈلیوری کے لیے کمرے سے باہر چلے جانا چاہیے۔ بہر حال آفرین ہے صدر پاکستان پر اور مبارک ہو ہماری وزارت خارجہ کو جو اب تک حرامستان کے سفیر کو پاکستان میں برداشت کر رہے ہیں!!!



انعامی مقابلہ

● قادیانیوں کے نام نہاد ہشتی مقبرے کی ان کے نزدیک کیا حقیقت ہے؟ ● قادیانیوں کے روحانی باپ نے کس خاتون سے ”آسمانی نکاح“ کی پیش گوئی کی اور اس کا کیا نتیجہ نکلا؟

نوٹ: درست جوابات دینے والے خوش نصیبوں کو اگلا شمارہ بالکل فری۔ جواب نوٹ کروائیں صرف عصر تا مغرب 0321-4370406

الحقیق کی جستجو ہو تو سرچ Denmark میں جا کر ایسی ویب سائٹس اور میگزینز دیکھ سکتے ہیں جو سرکاری طور پر جانوروں کے شادی دفتر کے طور پر قائم ہیں اور ڈنمارک کی گوریاں وہیں سے اپنے دولہوں کا انتخاب کرتی ہیں۔

اور وہ جیلے بہانوں سے سادہ لوح اور غریب مسلمانوں کو دام فریب میں لانے کے لیے اپنی سرگرمیوں میں مشغول رہتے ہیں۔ اس وجہ سے وہاں نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقے میں تحفظ ختم نبوت کا شعور پیدا ہونا شروع ہوا۔ قادیانی بھی ہمیشہ کی طرح اس صورتحال سے پریشان ہونے لگے اور طرح طرح کے اٹھانڈے استعمال کرنے لگے۔ چند ماہ پیشتر شان رسالت و ختم نبوت ﷺ کے سلسلہ میں وہاں کے لوگوں نے دیواروں پر اشتہارات چسپاں کیے اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض فتوے بھی شائع کیے۔ اس صورتحال سے مرزائی غنڈہ گردی پر اتر آئے۔ ڈاکٹر اصغر اور اس کے دو بیٹوں سمیت دیگر قادیانیوں نے اسلحہ سے مسلح ہو کر عقیدہ ختم نبوت سے متعلق اشتہارات اتار کر پھاڑے۔ شعائر اسلامی سے متعلق غلیظ زبان استعمال کی اور کہا کہ مرزا غلام قادیانی ”آخری نبی“ ہے اور مرزا غلام قادیانی کے بعد عقیدہ ختم نبوت کی حیثیت ختم ہو چکی ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں توہین کی اور مسلمانوں کو گالیاں دیں اور دھمکی دی کہ اب اگر کسی نے ایسے اشتہارات پھرا گائے یا ایسے نظریات کی ترویج کی تو اُسے جان سے مار دیں گے۔

اس ساری صورتحال پر مسلمانوں نے قانون ہاتھ میں لینے کی بجائے قانونی اور پرامن راستہ اختیار کیا۔ نوجوان مجاہد تحفظ ختم نبوت ”محمد مالک“ نے اس صورتحال کی بابت تھانہ صدر میں زیر دفعہ 295-سی 11 جون 2008ء کو رپورٹ درج کروائی جس کی ایف آئی آر (F.I.R) نمبر 351/08 ہے۔ محمد مالک (شہید) نے درج شدہ ایف آئی آر کی روشنی میں مقدمہ کی پیروی شروع کر دی اور اس دوران قادیانی سرعام قتل کی دھمکیاں دینے لگے اور ڈرانے کا ہر حربہ استعمال کیا جانے لگا۔ نشہ عشق محمد ﷺ سے سرشار شہید محمد مالک اپنی حقیقی منزل کی طرف بڑھتے ہوئے انتقامت کا پہاڑ بن گیا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ قانونی اور عدالتی جنگ کے راستہ سے کسی صورت پیچھے نہیں ہٹے گا۔

مذکورہ ایف آئی آر کی روشنی میں پولیس قادیانی ملزمان کو گرفتار کرنے سے گریز کرتی رہی۔ محمد

ننگانہ صاحب شیخوپورہ میں قادیانیت گردی سید رمیز الدین

محمد مالک شہید نبی کریم ﷺ کے اس عاشق صادق کا نام ہے جس نے اپنی جان کی بازی لگا کر ناموس رسالت ﷺ کا تحفظ کیا۔ محمد مالک شہید کا قصور صرف اتنا تھا کہ اس نے قادیانیوں سے قتل و غارت کی بجائے ضابطہ و قانون کے تحت نبی کے فیصلہ کیا۔ بد قسمتی سے ہمارے ملک میں قانون کے رکھوالوں خصوصاً پولیس والوں کو مدعی کی یہ جرأت پسند نہیں آتی ہے۔ فریق مخالف سے رشوت خوری کر کے ان کی پہلی کوشش ہوتی ہے کہ مدعی مقدمہ ہی واپس لے لے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کیس کو جس حد تک لٹکایا اور لہا کیا جاسکتا ہے اس سے دریغ نہیں کیا جاتا۔ محمد مالک شہید کے ساتھ بھی علاقہ کے ایس ایچ او (S.H.O) اور اے ایس آئی (A.S.I) نے ایسا ہی کیا۔ ایک طرف قادیانیوں سے پولیس کی ملی بھگت وہٹ دھری اور دوسری طرف قادیانیوں کی شہید سے مسلح غنڈہ گردی۔ بالآخر 11 ستمبر کو قادیانی غنڈوں نے محمد مالک کو اندھا دھند فائرنگ کر کے شہید کر دیا۔ محمد مالک شہید تو اس راہ عشق و وفا میں اپنی جان کی بازی لگا کر سرخرو ہو گیا اب ہمارے پر چند ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ● شہید کے کیس کی پرزور پیروی۔ ● قادیانی غنڈوں کو دہشت گردی ایکٹ کے تحت قرار واقعی سزا۔ ● قادیانیوں کے ہمنوا پولیس والوں کو سپر عدالت کرنا۔ ● محمد مالک شہید کے اہلخانہ کی ہر ممکن طریقہ سے بھرپور معاونت و دادرسی۔

یوں تو قادیانی جماعت کی مسلمانوں کے خلاف نت نئی سازشوں، دہشت گردی اور قتل و غارت گری سے تاریخ بھری پڑی ہے اور قادیان سے لے کر ربوہ (چناب نگر) تک قادیانیوں نے متعدد مرتبہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی اور ہر اُس مسلمان کو اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی جو ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ لیے سرگرم عمل ہو۔ ایسی ہی صورتحال چند روز قبل ننگانہ صاحب کے قریب تھانہ صدر کے علاقہ میں چک نمبر 4 گ ب (بھگوان پورہ) میں پیش آئی جہاں آتشیں اسلحہ سے لیس قادیانیوں نے ایک بائیس سالہ نوجوان ”محمد مالک“ کو شہید کر دیا۔

ضلع ننگانہ صاحب (جو پہلے ضلع شیخوپورہ کا حصہ تھا) میں قادیانیوں کی بڑی تعداد پھیلی ہوئی ہے

مالک اور اس کے ساتھی پولیس کے ذمہ داران سے بار بار کہتے رہے کہ تفتیش مکمل کی جائے اور ملزمان کا چالان کر کے انہیں جیل بھیجا جائے۔ یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ متعلقہ تھانے کے ذمہ داروں نے قادیانیوں کے زیر اثر 295-سی کے اس اہم مقدمے کو خراب کیا اور سراسر غیر قانونی طور پر تفتیش کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ مقدمہ کا مدعی بار بار کہتا رہا کہ قادیانی مجھے قتل کرانے کی سازش تیار کر چکے ہیں۔ مرحوم مدعی نے ڈی پی او کے سامنے براہ راست تین مرتبہ پیش ہو کر واضح کیا کہ آپ کا ایس ایچ او قادیانیوں کے ذریعے مجھے قتل کرانا چاہتا ہے۔ اگر میں قتل ہو گیا تو میرے قاتل قادیانی ہوں گے اور اس کے تمام ذمہ داری پولیس پر ہوگی جو کھلم کھلا قادیانیوں کے تمام جرائم کی مکمل پشت پناہی کر رہی ہے۔ افسوس کہ اعلیٰ وادنی پولیس افسران تک تمام احوال پہنچنے کے باوجود کوئی شنوائی نہ ہوئی اور پولیس قادیانی ملزمان کی ملی بھگت سے تفتیش کو لٹکانی رہی۔ تین قادیانی ملزمان کو بے گناہ قرار دے دیا گیا جس پر قادیانی ملزمان کے وکیل نے درخواست ضمانت واپس لے لی۔ اس دوران ملزمان شہید مدعی کو مسلسل خطرناک نتائج اور قتل کی دھمکیاں دیتے رہے۔ محمد مالک نے اپنی شہادت سے قبل قانونی چارہ جوئی کے لیے بیان حلفی تحریر کرائے جو کہ عدالت میں دینا چاہتے تھے۔

11 ستمبر 2008ء بروز جمعرات رات 11 بجے جب اس مقدمے کے مدعی محمد مالک اپنے بھائی خالد محمود کے ہمراہ گاؤں کی مسجد میں نماز تراویح کی ادائیگی کے بعد گھر واپس جا رہے تھے کہ چوک کے قریب ایک دم آگے سے دو بغیر نمبر پلیٹ موٹر سائیکلوں پر چار قادیانی ملزمان (ندیم، رانا افتخار راشد اور عشرت شاہ ساکنان دیہہ دیگر تین نامعلوم ملزمان جو بغیر نمبر کی ایک اور موٹر سائیکل پر سوار تھے) نے محمد مالک اور ان کے بھائی خالد محمود کو روکا اور اسلحہ تان کر دھمکی دی کہ آگے بڑھے تو مار دیں گے۔ ایک قادیانی ملزم ندیم نے لکاکر کہ محمد مالک کو ہمارے خلاف پرچہ (C-295) درج کروانے کا مزہ چکھا دو جس پر عشرت شاہ نے بارہ بور بندوق سے فائر مارا جو محمد مالک کے چہرے پر لگا اور وہ زخمی ہو کر گر پڑا۔ پھر ملزم ندیم نے دستی بارہ بور بندوق سے فائر مارا جو محمد مالک کے چہرے اور گردن

ہدائیں طرف لگا۔ اس کے بعد قادیانی ملزمان لکاکرتے ہوئے چائے وقوعہ سے فرار ہو گئے۔ شہید محمد مالک کے والد محمد بوٹا نے مذکورہ واقعہ کی ایف آئی آر تھانہ صدر ننگانہ صاحب میں درج کرائی۔ ایف آئی آر نمبر 618/08 (بجرم 148-149-302) جو 11 ستمبر کو ہی درج ہوئی کے مطابق ایف آئی آر کے مدعی اور شہید کے والد محمد بوٹا نے پولیس کو رپورٹ کی کہ میرے بیٹے محمد مالک نے قادیانی ملزمان کے خلاف توہین رسالت ﷺ کے تحت (C-295) کا مقدمہ درج کروایا تھا جس کی بنا پر تمام ملزمان نے باہم مشورہ کر کے میرے بیٹے محمد مالک کو قتل کیا۔ میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے لہذا مجھے انصاف دلایا جائے۔ اس واقعہ کی اطلاع پورے علاقے اور فیصل آباد میں بھی پھیل گئی اور پوسٹ مارٹم کے بعد لاش ورثا کے حوالے کر دی گئی۔ 12 ستمبر بروز جمعہ المبارک کو شام 4 بجے نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں علاقہ بھر سے تمام مکاتب فکر کے لوگوں نے بھرپور شرکت کی۔ اس دوران نامزد قادیانی ملزمان اپنے گھر چھوڑ کر بھاگ گئے۔

ملک سلیم اعوان (جو ننگانہ صاحب کے مقامی صحافی ہیں ساری صورتحال پر نظر رکھے ہوئے ہیں) نے بتایا کہ دراصل اس سانحہ کا پس منظر مدعی شہید کی طرف سے قادیانی ملزمان کے خلاف 295 سی کا مقدمہ ہی تھا۔ اس کی اصل ذمہ داری پولیس کی تھی کہ وہ اپنی غیر جانبداری کو یقینی بناتی جبکہ پولیس مسلسل مکمل جانبداری کا مظاہرہ کرتی رہی۔ پولیس نے اس مقدمہ میں ایک قادیانی ملزم ڈاکٹر اصغر کو گرفتار کر لیا تھا جبکہ باقی ملزمان عبوری ضمانتیں کروا کر شامل تفتیش ہو گئے۔ ڈی پی او ننگانہ اکبر ناصر خاں نے کیس کی اہمیت و نوعیت کے پیش نظر تین رکنی تفتیشی ٹیم تشکیل دی جس میں ڈی ایس پی اکبر اقبال شاہ، ایس ایچ او تھانہ صدر سید رضا کار حسین شاہ اور اے ایس آئی رانا منور شامل تھے۔ اس تفتیشی ٹیم نے تین ماہ تک اس کیس کی انکوائری کی۔ اس دوران تقریباً چھ دفعہ دونوں پارٹیوں کو بلایا گیا جن میں سینکڑوں افراد نے اپنے اپنے موقف کی تائید کی تاہم تفتیشی ٹیم تین ماہ تک یہ طے ہی نہ کر سکی کہ ملزمان گناہ گار ہیں یا نہیں۔

قادیانیت نوازی

گما انجلمر اعجاز احمد

گستاخان رسول مرزائیوں / قادیانیوں کی ہمنوائی دنیا و آخرت میں گھائے کا سودا ہے۔ ذیل میں دواویے کرداروں کا ذکر ہے جن کو دنیا میں گستاخان رسول کی ہمنوائی کا صلہ ملا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ ساری کائنات اپنے پیارے حبیب ﷺ کے صدقے پیدا کی اور اپنے حبیب ﷺ کو انسانوں کے دلوں میں بھی درجہ محبوبیت عطا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی آقائے نامدا ﷺ کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ صرف انسان ہی نہیں بلکہ جنات و حیوانات بھی آپ ﷺ کی دام الفت کے اسیر ہیں۔ مگر ہر دور میں کچھ ایسے بدنصیب افراد بھی منظر پر آتے رہے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے آفتاب نبوت کے سامنے اپنا چراغ جلانے کی ناپاک جسارت کی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ملعون قرار پائے۔ انہی میں سے ایک دجال قادیان (مرزا قادیانی) بھی تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ حضور ﷺ کے مقابلے میں دعویٰ نبوت کرنے والوں کے ساتھ ساتھ وہ نام نہاد مسلمان بھی نشان عبرت بنے جنہوں نے کسی دنیاوی منفعت کے لیے قادیانیت نوازی کی۔ زیر نظر تحریر میں ایسے ہی افراد کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو دنیا میں بڑے سمجھے جاتے تھے مگر قادیانیت نوازی کا کارہو کر مقام عبرت بن گئے۔

سکندر مرزا

سکندر مرزا پاکستان میں گورنر جنرل اور پھر صدر پاکستان کے عہدے تک پہنچا۔ تین برس شان و شوکت سے اس نے حکومت کی اور یکے بعد دیگرے پانچ وزیر اعظم بگھٹائے۔ کئی برس تک ملک کے سیاہ و سفید کا مالک رہا۔ تحریک ختم نبوت 1953ء کے وقت وہ ملک کا سیکرٹری دفاع تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا

10 قہر کو ملزمان کی عبوری ضمانت کی سماعت تھی۔ تفتیشی افسر کی عدم دلچسپی کی انتہا یہ ہے کہ عدالت نے کیس کی اہم نوعیت کی وجہ سے کئی بار تفتیشی افسر کو طلب کیا کہ تفتیش مکمل کریں لیکن 10 قہر کو بھی رانا منور پیش نہ ہوا۔ حد یہ ہے کہ وہ ریکارڈ ایک حوالدار کو دے کر چلا گیا کہ وہ عدالت کو دے دے۔ سماعت کے لیے بلایا گیا تو ملزمان کے وکیل نے ضمانتیں واپس لے لیں جب کہ پولیس ریکارڈ میں پولیس نے کچھ نہیں لکھا تھا۔ مدعی مقدمہ شہید (جو اس گھمبیر صورتحال کی وجہ سے اندوہناک حادثے کا شکار ہوا) نے ملزمان کو گرفتار کروانے کی کوشش کی لیکن تھا نہ صدر ننگانہ صاحب کے کسی اہل کار کی (دانستہ) عدم موجودگی کا فائدہ اٹھا کر ملزمان عدالت سے فرار ہو گئے۔



ہو گئے بزم جہاں میں خوار ہم
ہم بُرے ہیں یا بھلے جیسے بھی ہیں
کشتی ملت بھنور میں پھنس گئی
اب تو قسمت میں اندھیرے رہ گئے
لے گئے کردار کی دولت عدو
عاصی و خاٹی سہی لیکن حضور
اب نہ خالی ہاتھ لوٹیں یا نبی!

چاہتے ہیں اک نظر سرکار ہم
آپ کے ہیں اے شہ ابرار ہم
یا رسول اللہ! اتریں پار ہم
روشنی کے تھے کبھی میدان ہم
اب ہیں خالی صاحب گفتار ہم
آپ کی الفت سے ہیں سرشار ہم
ہو گئے ہیں حاضر دربار ہم



جب قادیانی نوزائیدہ پاکستان کو قادیانی اسٹیٹ بنانے کے لیے سردھڑکی بازی لگا رہے تھے۔ وزیر خارجہ ظفر اللہ قادیانی کی بدولت دنیا بھر کے پاکستانی سفارت خانے قادیانی تحریک کا مرکز بن چکے تھے۔ ان حالات میں علمائے کرام نے کل جماعتی مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت تشکیل دی اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ عوامی سطح پر تحریک جاری تھی کہ سیکرٹری دفاع سکندر مرزا نے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین کو ایک خط میں لکھا کہ ”ہمارے ذاتی دشمنوں نے جن میں ملکا بھی شامل ہیں جو مشکلات پیدا کی ہیں اگر ان مشکلات کو ابھی اور سختی سے نمٹانے کے لیے کچھ نہ کیا گیا تو ملک اور ملکی انتظامیہ تباہ ہو کر رہ جائے گی۔“ اس خط میں اس نے یہ بھی لکھا کہ وزیر خارجہ ظفر اللہ کی عرب ممالک میں بڑی قدر ہے مگر یہاں کراچی میں اس کے خلاف گندی زبان استعمال کی جا رہی ہے اس کی تصاویر پر بھی تھوکا جا رہا ہے گدھے والے جسم کے اس کے کارٹون بنائے جا رہے ہیں۔ ایسی باتوں سے عالمی برادری میں پاکستان کی کیا عزت رہ جائے گی؟ اپنے خط کے آخر میں سکندر مرزا نے مارشل لاء کے نفاذ کی طرف واضح اشارہ کیا اور اسے ہمت دلائی کہ وہ مجاہدین ختم نبوت کے خلاف فیصلہ کن کردار ادا کرے۔

مگر سکندر مرزا کے اس خط کا وزیر اعظم پر کوئی اثر نہ ہوا اور انہوں نے اس خط پر ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ اس دوران کل جماعتی مجلس عمل کا وفد 22 فروری 1953ء کو وزیر اعظم سے ملا تو وزیر اعظم نے دو ٹوک جواب دے دیا۔ اس پر اکابر کل جماعتی مجلس عمل نے راست اقدام کا فیصلہ کیا۔ وفاقی کابینہ کا اہم اجلاس کراچی میں 27 فروری 1953ء کو ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ کل جماعتی مجلس عمل کا الٹی میٹم مسترد کر دیا جائے اور قائدین تحریک ختم نبوت کو گرفتار کر لیا جائے۔ اس فیصلے پر فوری عمل درآمد کیا گیا مگر لاہور کے حالات حکومت کے قابو سے نکل گئے پھر وفاقی کابینہ کا اجلاس ہوا۔ اس دوران گورنر پنجاب چندر میگر نے فون کر کے بتایا کہ وزیر اعلیٰ ممتاز دولتانہ ان کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ وزیر اعلیٰ

سکندر مرزا ایک صدر کا عروج و زوال

نے کہا کہ فوری طور پر مجلس عمل کے مطالبات تسلیم کیے جائیں ورنہ لاہور تباہ ہو جائے گا۔ یہ سن کر وفاقی کابینہ کے اجلاس میں خاموشی چھا گئی اور کسی وزیر نے ایک لفظ تک نہ کہا۔ پھر سکندر مرزا نے وزیر اعظم سے اہم کام پر جانے کی اجازت مانگی۔ بقول سکندر مرزا اسے فوراً ملٹری انٹیلی جنس کے دفتر ہاکر لاہور کے سی او میجر جنرل اعظم خان کو مارشل لاء لگانے کا حکم دیا اور تمام ذمہ داری خود قبول کر لی اور پھر کابینہ کے اجلاس میں واپس آ کر اپنے اقدام کا اعلان کر دیا۔ یہ 6 مارچ 1953ء کا دن تھا۔ اس مارشل لاء نے فدا یان ختم نبوت سے جو سلوک کیا وہ ہماری ملی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے۔ صرف لاہور میں دس ہزار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ ایک اذان دینے پر کئی مسلمان شہید ہوئے۔ اسی سالہ سے لے کر چار سالہ معصوم بچوں نے جانوں کے نذرانے پیش کیے۔ شہداء ختم نبوت کی نعشوں کو میونسپل کمیٹی کے ٹرکوں میں ڈال کر پھینک دیا گیا۔ میجر جنرل اعظم خان نے تار پر تار بھیجنا شروع کیے کہ اتنی تعداد میں ملّاؤں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس پر ایک دن وزیر اعظم نے سیکرٹری دفاع سکندر مرزا کو طلب کر کے کہا کہ مجھے تورات کو نیند ہی نہیں آتی۔ سکندر مرزا نے فوراً جنرل اعظم خان کو فون کیا اور اس سے کہا کہ اگر تمہیں ان ملّاؤں کو گولیاں ہی ماری ہیں تو تم ان کی تشہیر کیوں کر رہے ہو؟ جنرل اعظم نے پوچھا کہ میں انہیں اور کیاں کہوں؟ اس پر سکندر مرزا نے جواب دیا کہ یوں کہو کہ اتنے بد معاشوں کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد جنرل اعظم اسی فارمولے پر عمل پیرا رہا۔ شورش کاشمیری کے بقول سکندر مرزا کا یہ کہنا تھا کہ یہ کابینہ کی غلطی ہے کہ اس نے ان ملّاؤں (قائدین) کو پھانسی نہیں دی۔ اگر پندرہ بیس علماء کو دار پر کھینچو ادیا جاتا یا گولی سے اڑا دیا جاتا تو اس قسم کے جھمیلوں سے ہمیشہ کے لیے نجات ہو جاتی۔ جس صبح دولتانہ حکومت برخاست کی گئی اس رات گورنمنٹ ہاؤس لاہور میں سکندر مرزا کا ایک ہی بول تھا کہ مجھے یہ نہ بتاؤ کہ فلاں جگہ ہنگامہ فرو ہو گیا یا فلاں جگہ مظاہرہ ختم کر دیا گیا۔ مجھے یہ بتاؤ کہ وہاں کتنی لاشیں بچھائی ہیں اور کوئی گولی بے کار تو نہیں

سکندر مرزا ایک صدر کا عروج و زوال

کلی۔ ۱

ہر عروج کو زوال ہے۔ سکندر مرزا جس نے ہزاروں مجاہدین ختم نبوت کو تہ تیغ کیا تھا وہ گورنر جنرل بنا، صدر بنا اور بالآخر ایوب خان کے ہاتھوں زوال پذیر ہوا۔ 27 اکتوبر 1958ء کو تین ایوبی جرنیلوں جنرل اعظم خان، جنرل برکی اور جنرل شیخ نے آدھی رات کے وقت صدر سکندر مرزا کو جگا کر اس سے اسلحے کی نوک پر استعفیٰ لیا۔ جرنیلوں نے شین گنیں اور پستول تان رکھے تھے۔ سکندر مرزا کو شب خوابی کے لباس میں ہی گرفتار کیا گیا اور فوراً کونستہ منتقل کیا گیا۔

کونستہ میں سکندر مرزا کو ایک چھوٹے سے کمرے میں رکھا گیا جس کے ہر طرف مسلح فوجی متعین تھے۔ وہ سکندر مرزا کو ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے حتیٰ کہ جب وہ غسل خانے میں جاتا تو بھی اس کی سخت نگرانی کی جاتی۔ جس کمرے میں اسے رکھا گیا تھا اس میں چوبیس گھنٹے تیز روشنی کے باعث وہ سو بھی نہ سکتا تھا۔ تین دن تک سکندر مرزا کو علم نہ تھا کہ وہ زندہ رہے گا یا اسے قتل کر دیا جائے گا پھر اسے کراچی منتقل کیا گیا۔ چار گھنٹے ماڑی پور کے ہوائی اڈے اور پھر سات گھنٹے کراچی کے ہوائی اڈے پر سکندر مرزا کو انتظار کی اذیت میں مبتلا رکھا گیا۔ اس دوران ہوائی اڈے کے ارد گرد ایک بٹالین فوج تعینات تھی۔ پولیس اور خفیہ والے ان کے علاوہ تھے۔ جب طیارہ پرواز کر گیا اور جلد ہی واپس ایئر پورٹ پر اتر گیا تو اس پر بیگم سکندر مرزا سخت پریشان ہوئیں۔ انہیں یقین دلایا گیا کہ طیارے کو میکا کی نقص کے باعث واپس لایا گیا ہے۔ جلا وطنی سے قبل ان کے روپے پیسے قیمتی اشیاء ذاتی کاغذات اور ڈائریاں سب کچھ چھین لیا گیا۔

سکندر مرزا لندن جلا وطن کر دیا گیا اور وہ سواری کے لیے گاڑی رکھنے کے قابل بھی نہ رہا۔ اس کی آمدن، گھریلو اخراجات سے کم تھی۔ وہ بسوں میں سفر کرتا اور سودا سلف لانے خود جاتا۔ گھر کا کھانا اس کی اہلیہ کو خود پکانا پڑتا۔ اس کی دو پنشنوں میں سے ایک پنشن بھی حکومت نے ضبط کر لی۔ جب سکندر ۱۔ تحریک ختم نبوت

العالمی

مرزا بیمار پڑا تو علاج کے لیے رقم پہلے نہ تھی پھر شاہ ایران نے اس کا علاج کروایا۔ 1966ء میں سکندر مرزا پر دوبارہ دل کا دورہ پڑا۔ پھر پہلی بیوی 1967ء میں امریکہ میں انتقال کر گئی۔ اس کو کراچی میں دفن کیا گیا مگر سکندر مرزا حکومتی پابندی کی وجہ سے پاکستان نہ آ سکا۔ پاکستان سے لندن جانے والے سیاسی عمائدین سکندر مرزا کو اچھوت سمجھ کر ملنے سے گریز کرتے کہ کہیں صدر ایوب ناراض نہ ہو جائے۔ غرض اسی طرح 10 برس کا طویل عرصہ گزرا۔

25 مارچ 1969ء کو صدر ایوب کی جگہ یحییٰ خان نے اقتدار سنبھالا تو سکندر مرزا کے دل میں وطن واپس آنے کی خواہش پھر جاگ اٹھی۔ وہ وطن واپس آ کر اپنے بچوں، ان کی اولاد اور دوستوں سے ملنے کا شدید خواہش مند تھا۔ اس نے صدر یحییٰ سے براہ راست رابطہ کیا اور سکندر مرزا کی بیٹی نے بھی کئی طرح کی کوششیں کیں مگر سب بے سود ثابت ہوئیں۔ پھر یحییٰ خان کی ایک رشتہ دار کے ذریعے اپنی تمنا صدر یحییٰ خان تک پہنچائی۔ اس خاتون نے اطلاع دی کہ صدر یحییٰ اجازت دے دیں گے۔ اس پر سکندر مرزا کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور اس نے وطن واپسی کی تیاری شروع کر دی۔

اس دوران سکندر مرزا کی بیٹی نے صدر یحییٰ خان کو حسرت بھرا خط لکھا جس میں اپنے والد کی ہماری کمزوری اور بڑھاپے کا تذکرہ کیا اور التجا کی کہ اسے وطن واپس آنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ آخری ایام اپنی اولاد کے ساتھ گزار سکے۔ 23 اگست 1969ء کو ایوان صدر سے بریگیڈر ایم رحیم خان نے سکندر مرزا کی بیٹی کے نام خط لکھا کہ موجودہ حالات میں سکندر مرزا اپنی وطن واپسی کا حکم دیر کے لیے ملتوی کر دیں۔ اس ناکامی کے بعد سکندر مرزا نے صدر یحییٰ خان کے نام خود خط لکھا جس کا جواب صدر کے شاف آفیسر جنرل پیرزادہ نے دیا اور اس میں واضح طور پر پاکستان آنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی اب سکندر مرزا بالکل مایوس ہو گیا، پھر اس نے اپنی بیٹی کو 24 ستمبر 1969ء کو لکھا کہ مجھے پاکستان آنے کی اجازت نہیں ملی اس لیے اگلی گرمیوں میں آپ لوگ میری طرف آجائیں۔ بد نصیب سکندر مرزا کی یہ خواہش بھی قدرت نے پوری نہ ہونے دی اور گرمیاں آنے سے

قبل ہی 13 نومبر 1969ء کو وہ لندن میں جلا وطنی کے عالم میں مر گیا۔ آخر میں اس کے پاس صرف اس کی دوسری بیگم تھی۔ شاہ ایران نے ایران لے جا کر تہران کے ”رے“ قبرستان میں سکندر مرزا کو دفن کرایا مگر 9 فروری 1979ء کو شاہ مخالف خمینی انقلاب میں سکندر مرزا کی قبر مسمار کر دی گئی اور ہڈیاں نکال کر دریا میں پھینک دی گئیں۔ قدرت کا عجیب انتقام ہے کہ شہدائے ختم نبوت کی قبور آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہیں جبکہ سکندر مرزا کو دنیا میں بھی قبر نہیں ملی۔

ریٹائرڈ جسٹس مشتاق حسین

18 مارچ 1978ء کو جسٹس مشتاق نے ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کا فیصلہ کیا۔ اس لیے ان کے دل و دماغ پر یہ خوف سوار تھا کہ اگر پینلز پارٹی برسرِ اقتدار آگئی تو مجھے نہیں چھوڑے گی۔ چنانچہ جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کے بعد جب جسٹس مشتاق لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور پھر چیف الیکشن کمشنر تھے تو انہوں نے یہ سوچا کہ اگر میں عالمی عدالت انصاف کا جج بن جاؤں تو پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑا ہی میں ہوگا۔ اس خواہش کی تکمیل کے لیے وہ ظفر اللہ قادیانی کو بطور ریٹیرمی استعمال کرنا چاہتے تھے۔

جسٹس مشتاق نے قادیانی رہنما مرزا ناصر احمد سے خفیہ ملاقات کی۔ اس ملاقات میں خفیہ معاہدہ طے پایا کہ ووٹر فارم کے حلف نامے کی ختم نبوت پر مشتمل عبارت میں ایسے الفاظ کی تبدیلی کی جائے کہ قادیانی اسے پُر کر کے مسلمانوں میں ووٹ درج کروا سکیں۔ اس قادیانیت نوازی کے ثمر کے طور پر قادیانی رہنما مرزا ناصر احمد، سر ظفر اللہ قادیانی کو کہہ کر جسٹس مشتاق کو عالمی عدالت انصاف میں جج لگوادیں گے۔ چنانچہ جسٹس مشتاق نے ووٹر فارم کے حلف نامہ کی عبارت میں نہ صرف تبدیلی کی بلکہ تبدیل شدہ حلف نامہ والے فارم طبع بھی کرانے شروع کر دیے۔ (مرزا ناصر، سر ظفر اللہ اور جسٹس مشتاق کی اس شیطانی کارستانی کو اکابرین و عمائدین اہلسنت کی انتھک محنت نے شرمناک شکست سے ہمکنار کیا۔)

یہ خرمستیاں اس دور کی تھیں جب جسٹس مشتاق ظاہری شان و شوکت کا مالک تھا۔ پھر حالات کا ہمارا بدلا اور 25 مارچ 1981ء کو جب جنرل ضیاء الحق نے عبوری آئین (P.C.O) کے تحت لوگوں سے حلف لیا تو جسٹس مشتاق کو سرے سے بلایا ہی نہیں گیا۔ چنانچہ وہ جبری ریٹائرڈ ہو کر گھر جا بیٹھا۔ پھر 25 ستمبر 1981ء کو لاہور میں اس کی کار پر حملہ کیا گیا۔ اس قاتلانہ حملے میں وہ بچ گیا مگر ”ٹانگ“ کو لہے اور کمر پر زخم آئے۔ کئی ماہ ہسپتال میں گزار کر وہ گھر آیا تو ہر وقت پولیس کے ہمرے میں رہنے لگا۔ گھر سے نکلتا دشوار ہو گیا، زندگی بوجھ بن گئی۔ بالآخر فالج کا حملہ ہوا اور طویل بیماری کے بعد شیخ زید ہسپتال میں انتقال کر گیا۔

31 مارچ 1989ء کو جسٹس مشتاق کی ڈیڈ باڈی کو اس کی رہائش گاہ 55 بی ماڈل ٹاؤن لاہور سے اٹھا کر نواز شریف پارک لایا گیا۔ ابھی لوگ صفیں سیدھی کر رہے تھے کہ یکا یک شہد کی مکھیوں نے ہلکار کر دی۔ اتفاقاً جنازہ اس درخت کے نیچے رکھا گیا تھا جہاں شہد کی مکھیوں کے چھتیس (36) بڑے بڑے چھتے موجود تھے۔ مکھیوں کا حملہ اتنا شدید تھا کہ لوگ اپنے جوتے بھی وہیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ شہد کی مکھیوں کے کاٹنے سے تین افراد جاں بحق اور پانچ سوزخمی ہو گئے۔ لوگوں نے اپنی گاڑیوں سے حاصل ناز نکال کر جلانے تاکہ دھوئیں سے مکھیوں کو بھگایا جاسکے۔ لوگوں کے بھاگنے سے جنازہ تنہا رہ گیا تو شہد کی مکھیوں نے کفن پر بھی ڈنگ مارے (کیونکہ شہد کی مکھیاں سفید کپڑے پر زیادہ حملہ آور ہوتی ہیں۔) پھر پولیس کے چار ملازمین آئے جنہوں نے پلاسٹک کا لباس پہنا ہوا تھا۔ انہوں نے جنازہ وہاں سے اٹھا کر دوسرے پارک میں پہنچایا مگر شہد کی مکھیوں نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ جنازہ اور لکڑیاں جلانے سے پارک میں ”شمشان بھومی“ کا منظر پیدا ہو گیا۔ سفر آخرت کے پہلے ہی مرحلے میں پہلے ہی روز لوگوں نے مکھیوں کے ڈنگوں کا زہر بھی چکھا اور آگ کا لاؤ بھی دیکھا۔ واقعی قادیانیت نوازی کا یہی انجام ہوتا ہے۔



آصف علی زرداری

کون؟

وسعت اللہ خان

وسعت اللہ خان معروف برطانوی نشریاتی ادارے بی بی سی اردو کے کالم نگار ہیں۔ ذیل میں موصوف نے منتخب پاکستانی صدر کا دلچسپ پیرایہ میں تعارف کروایا ہے۔ بی بی سی اردو ڈاٹ کام کے شکریہ کے ساتھ تعارف حاضر خدمت ہے۔

آصف علی زرداری ایک بلوچ سندھی سیاستدان اور ذوالفقار علی بھٹو کے ابتدائی سیاسی ساتھیوں میں شامل حاکم علی زرداری کے بیٹے ہیں۔ حاکم علی زرداری بعد میں نیشنل عوامی پارٹی (N.A.P) میں شامل ہو گئے تھے۔

آصف زرداری جولائی 1956ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا اندرون سندھ زمینداری کے ساتھ کراچی میں بھی کاروبار اور سینما گھر تھا۔ آصف علی زرداری کی ابتدائی تعلیم بھی ایل کے ایڈوانی، محمد خان جوینجو، شوکت عزیز اور پرویز مشرف کی طرح سینٹ پیٹرکس سکول کراچی میں ہوئی جس کے بعد انہوں نے دادو میں قائم کیڈٹ کالج پٹارو سے 1974ء میں انٹرمیڈیٹ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ بعد میں انہوں نے لندن سکول آف اکنامکس اینڈ بزنس نامی کسی ادارے میں بھی داخلہ لیا تھا۔ آصف علی زرداری اوائل عمر سے ہی یاروں کے یارٹائپ شخص کے طور پر کراچی کے متول حلقوں میں جانے جاتے تھے۔ 1968ء میں شوقین مزاج کمن آصف نے فلسما زسجاد کی اردو فلم ”منزل دور نہیں“ میں چائلڈ سٹار کے طور پر اداکاری بھی کی۔

آصف زرداری پولو اور گھڑ سواری کے شوقین ہیں اور ان کی پولو ٹیم ”زرداری فور“ کے نام سے جانی جاتی ہے۔ آصف زرداری کے اس زمانے کے ایک ساتھی کے بقول آصف ایک دل والا شخص

تھا۔ بقول اس کے ایک مرتبہ کراچی کے مضافات میں ہم لوگ ہارس رائیڈنگ کر رہے تھے کہ ہمارے گروپ میں شامل ایک جرمن سفارتکار کی بیٹی کا گھوڑا دل دل میں دھنس گیا۔ اس صورتحال میں کوئی اسے نہیں بڑھا لیکن آصف دل دل میں اتر گیا اور پہلے لڑکی کو بچایا پھر گھوڑے کو نکالا۔ اس زمانے میں کھانڈر آصف اپنے پرائیویٹ ڈسکوٹھیک کے سبب بھی خوب جانا جاتا تھا۔

سیاست سے آصف علی زرداری کا 1980ء کے وسط تک دور دور تک واسطہ نہیں تھا۔ بس ایک سراغ یہ ملتا ہے کہ انیس سو پچاسی کے غیر جماعتی انتخابات میں آصف علی زرداری نے بھی نواب شاہ میں صوبائی اسمبلی کی ایک نشست سے کاغذات نامزدگی جمع کرائے تھے مگر یہ کاغذات واپس لے لئے گئے۔ اسی زمانے میں آصف علی زرداری نے وزیر اعلیٰ غوث علی شاہ کے ایک وزیر سید کوڑل شاہ کے مشورے سے کنسرکشن کے کاروبار میں بھی ہاتھ ڈالا لیکن اس شعبے میں آصف زرداری صرف دو الزاماتی برس ہی متحرک رہے۔

1987ء آصف زرداری کے لیے سب سے فیصلہ کن سال تھا جب ان کی سوتیلی والدہ ٹی بیماری اور بیگم نصرت بھٹو نے بے نظیر بھٹو کے ساتھ آصف کا رشتہ طے کیا۔ 18 دسمبر 1987ء کو ہونے والی یہ شادی کراچی کی یادگار تقریبات میں شمار ہوتی ہے۔ جس کا استقبالیہ امیر ترین علاقے گلشن کے ساتھ ساتھ غریب ترین علاقے لیاری کے ککری گراؤنڈ میں بھی منعقد ہوا اور امراء کے شانہ بشانہ ہزاروں عام لوگوں نے بھی شرکت کی۔ ذوالفقار علی بھٹو کی چھانسی کے بعد بے نظیر بھٹو اور ان کے لاکھوں سیاسی پرستاروں کے لیے یہ پہلی بڑی خوشی تھی۔

1988ء میں جب بے نظیر بھٹو برسر اقتدار آئیں تو آصف زرداری بھی وزیر اعظم ہاؤس میں منتقل ہو گئے اور ان کی سیاسی زندگی باضابطہ طور پر شروع ہو گئی۔ 1990ء میں بے نظیر حکومت کی برطرفی کے بعد ہونے والے انتخابات میں وہ رکن قومی اسمبلی بنے۔ 1993ء میں وہ گراں وزیر اعظم میرٹل شیر مزاری کی کابینہ میں وزیر بنے پھر بے نظیر بھٹو کے دوسرے دور میں رکن

قومی اسمبلی اور وزیر ماحولیات و سرمایہ کاری رہے۔ ﴿1993ء﴾ سے ﴿1999ء﴾ تک سینٹ کے رکن رہے۔

﴿1990ء﴾ سے ﴿2004ء﴾ تک کے چودہ برس آصف زرداری کی زندگی کے سب سے ہنگامہ خیز سال ہیں۔ بے نظیر بھٹو کے پہلے دور میں ان پر کرپشن کے الزامات لگنے شروع ہوئے اور ان پر مسٹرٹین پرسنٹ (10%) کا خطاب چکانے کی کوشش کی گئی۔ سب سے پہلی ﴿1990ء﴾ میں انہیں صدر غلام اسحاق خان کے دور میں ایک برطانوی تاجر مرتضیٰ بخاری کی ٹانگ پر بم باندھ کر 8 لاکھ ڈالر ہتھیانے کی سازش کے الزام میں حراست میں لیا گیا لیکن انہی غلام اسحاق نے بعد میں آصف زرداری کو رہا کر دیا۔ آڈیٹر جنرل آف پاکستان کی ایک رپورٹ کے مطابق غلام اسحاق خان نے بے نظیر اور آصف زرداری پر کرپشن کے 19 ریفرنسز فائل کیے لیکن ان میں سے کوئی ثابت نہیں ہو سکا۔

5 نومبر ﴿1996ء﴾ کو دوسری بے نظیر حکومت کی برطرفی کے بعد آصف علی زرداری کا نام مرتضیٰ بھٹو قتل کیس میں آیا۔ نواز شریف حکومت کے دوسرے دور میں ان پر سٹیل ملز کے سابق چیئرمین سجاد حسین اور سندھ ہائی کورٹ کے ایک جج جسٹس نظام احمد کے قتل اور منشیات کی سمگلنگ میں ملوث ہونے، سوئس کمپنی ایس جی ایس کوٹیکنا، دوہی کی اے آر وائی گولڈ کمپنی سے سونے کی درآمد، ہیلی کاپٹروں کی خریداری، پولش ٹریکٹروں کی خریداری، فرانسیسی میراج طیاروں کی ڈیل میں کمیشن لینے، برطانیہ میں راک و ڈسٹریٹ خریدنے، سوئس بینکوں کے ذریعے منی لانڈرنگ اور سپین میں آئل فارفود سکینڈل سمیت متعدد دیکمز بنائے گئے۔ اس طرح کی فہرستیں بھی جاری ہوئیں کہ آصف علی زرداری نے حیدر آباد، نواب شاہ اور کراچی میں کئی ہزار ایکڑ قیمتی زرعی اور کمرشل اراضی خریدی، 6 شوگر ملوں میں حصص لیے۔ برطانیہ میں 9، امریکہ میں 9، بیلجیئم میں 2، فرانس میں 2 اور دوہی میں کئی پروجیکٹس میں مختلف ناموں سے سرمایہ کاری کی جبکہ اپنی پراسرار دولت کو چھپانے کے لیے سمندر

پارکوی چیئرس فرنٹ کمپنیاں تشکیل دیں۔

غلام اسحاق خان سے لے کر نواز شریف اور پرویز مشرف تک کی حکومتوں نے اندرون و بیرون ملک ان الزامات، ریفرنسز اور مقدمات کو آگے بڑھانے کے لیے ایک خطرناک خرچ کی۔ آصف زرداری تقریباً 11 برس جیل میں رہے۔ جیل میں بھی آصف زرداری مرکز توجہ رہے۔ انہوں نے قیدیوں کی فلاح و بہبود کے لیے کئی کام کیے، جن میں کھانے اور کپڑوں کی تقسیم اور نادار قیدیوں کی ضمانت کے لیے رقم کا بندوبست بھی شامل رہا۔ دوران قید ان پر جسمانی تشدد بھی ہوا لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ قید کے دوران انہیں ذیابیطس اور کمر کے درد کی شکایت بھی پیدا ہوئی۔ ﴿2005ء﴾ میں آصف زرداری بیرون ملک چلے گئے اور سیاست سے الگ تھلگ خود کو دوہی اور نیویارک تک محدود کر لیا۔

جب پرویز مشرف اور بے نظیر بھٹو کے مابین امریکہ، برطانیہ اور بعض بااثر دوستوں کی کوششوں سے مصالحت کا آغاز ہوا تو اس کے بعد ان کے اور آصف زرداری کے خلاف عدالتی تعاقب سست پڑنے لگا۔ کوئی ایک مقدمہ بھی یا تو ثابت نہیں ہو سکا یا واپس لے لیا گیا یا حکومت مزید پیروی سے دستبردار ہو گئی۔ اس سلسلے میں اکتوبر ﴿2007ء﴾ میں متعارف کرائے گئے متنازعہ قومی مصالحتی آرڈیننس (N.R.O) نے اہم کردار ادا کیا۔

27 دسمبر ﴿2007ء﴾ کو بے نظیر بھٹو کی وفات کے بعد آصف علی زرداری کی قیادت میں پیپلز پارٹی انتخابات میں سب سے بڑی پارٹی بن کر ابھری۔ شروع میں اندازہ یہ تھا کہ آصف زرداری صرف پارٹی قیادت پر توجہ مرکوز رکھیں گے اور سونیا گاندھی بن کر رہیں گے لیکن پھر انہوں نے ملک کا صدر بننے کا فیصلہ کر لیا اور آج آصف علی زرداری اپنا یہ ہدف پانے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو اور فاروق لغاری کے بعد آصف زرداری پاکستان کے تیسرے ایسے صدر ہیں جو قید کے تجربے کے بعد ملک کے اعلیٰ ترین عہدے پر فائز ہوئے ہیں۔

اقبال

تیرے دیس کا کیا حال سناؤں امیر الاسلام ہاشمی

دہقان تو مر کھپ گیا اب کس کو جگاؤں ملتا ہے کہاں خوشہ گندم کہ جلاؤں
شاہین کا ہے گنبد شاہی پہ بیہرا کجھک فرمایہ کو اب کس سے لڑاؤں
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

ہر داڑھی میں تنکا ہے ہر اک آنکھ میں شبیر مومن کی نگاہوں سے بدلتی نہیں تقدیر
توحید کی تلوار سے خالی ہیں نیایش اب ذوق یقین سے نہیں کٹتی کوئی زنجیر
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

شاہین کا جہاں آج کرگس کا جہاں ہے ملتی ہوئی مٹا سے مجاہد کی ازاں ہے
مانا کہ ستاروں سے بھی آگے ہیں جہاں اور شاہین میں مگر طاقت پرواز کہاں ہے
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

مرمر کے سلوں سے کوئی بے زار نہیں ہے رہنے کو حرم میں کوئی تیار نہیں ہے
کہنے کو ہر اک شخص مسلمان ہے، لیکن! دیکھو تو کہیں نام کو کردار نہیں ہے
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

بے باکی و حق گوئی سے گھبراتا ہے مومن مکاری و روہائی پہ اتراتا ہے مومن
جس رزق سے پرواز میں کوتاہی کا ڈر ہو وہ رزق بڑے شوق سے اب کھاتا ہے مومن
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

پیدا کبھی ہوتی تھی سحر جس کی ازاں سے اس بندہ مومن کو میں اب لاؤں کہاں سے
وہ سجدہ زمیں جس سے لرز جاتی تھی یارو اک بار تھا ہم چھٹ گئے اس بار گراں سے
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

جھگڑے ہیں یہاں صوبوں کے ذاتوں کے نسب کے اُگتے ہیں تہہ سایہ گل خار غضب کے
یہ دیس ہے سب کا مگر اس کا نہیں کوئی اس کے گل خستہ پہ تو اب دانت ہیں سب کے
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

محمودوں کی صف آج ایازوں سے پرے ہے جمہور سے سلطانی جمہور ڈرے ہے
تھامے ہوئے دامن ہے یہاں پر جو خودی کا مرمر کے جیسے ہے کبھی جی جی کے مرے ہے
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

دیکھو تو ذرا محلوں کے پردوں کو اٹھا کر شمشیر و سناں رکھی ہیں طاقتوں پہ سجا کر
آتے ہیں نظر مسند شاہی پہ رنگیلے تقدیر ام سو گئی طاؤس پہ آکر
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

مکاری و عیاری و غداری و ہچان اب بنتا ہے ان چار عناصر سے مسلمان
قاری اسے کہتا تو بڑی بات ہے یارو اس نے تو کبھی کھول کے دیکھا نہیں قرآن
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

کردار کا گفتار کا اعمال کا مومن قائل نہیں ایسے کسی جنجال کا مومن
سرحد کا ہے مومن کوئی بنگال کا مومن ڈھونڈے سے بھی ملتا نہیں قرآن کا مومن
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں



خوشخبری

بہت جلد قارئین ”العاقب“ اہل سنت کے ممتاز خطیب، حضرت مولانا حافظ خان محمد قادری ناظم اعلیٰ فدا یان ختم نبوت، پاکستان کے چشم کشا مضامین و مقالات سے لطف اندوز ہوں گے۔ ان شاء اللہ العزیز حضرت مولانا، مرزا قادیانی کی زندگی پر شرمندگی کو منفرد، اچھوتے اور دعوتی انداز میں مسلمانوں کے لیے بالعموم اور قادیانیوں کے لیے بالخصوص منہبہ تحریر فرمائیں گے۔

جاگ سنی جاگ

علامہ سید محمد عرفان شاہ شہیدی

جگر گوشہ حافظ الحدیث سید محمد عرفان شاہ شہیدی ضلع منڈی بہاؤ الدین کے قصبہ بھکھی شریف میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی حضرت علامہ سید محمد جلال الدین شاہ کو 72 ہزار احادیث بمع سند یا تھیں اور اسی نسبت سے آپ حافظ الحدیث کے لقب سے معروف ہوئے۔ اس خاندان ذی شان کو صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی اور محدث اعظم حضرت مولانا سید احمد چشتی قادری ایسی عظیم المرتبت شخصیات کی شفقتیں و محبتیں نصیب ہوئیں۔ علامہ سید عرفان شاہ شہیدی دقیق النظر و کثیر المناظر، صاحب طرز ادیب و شاعر اور قادر الکلام خطیب ہیں۔ میدان خطابت میں آپ کی شعلہ بیانی و جرأت بے مثال ہے۔ 1974ء کی تحریک ختم نبوت اور 1977ء کی تحریک نظام مسطقی علیہ السلام میں بھرپور حصہ لیا۔ دور پرویز میں جب قادیانیوں کو نوازنے کے لیے آئینی دفعہ 295C کو ختم کرنے کی سازش کی گئی تو آپ نے پہلے احتجاجی جلوس کی قیادت کی۔ اس کے علاوہ عراق پر امریکی حملے، گوانتا نامو بے میں قرآن کریم کی بے حرمتی اور تعلیمی بورڈ آغا خانیوں کے حوالے کرنے پر بھرپور مخالفت کی اور اہل سنت کا موقف ٹھوس دلائل کے ساتھ بیان کیا۔ گزشتہ برس گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کے خلاف احتجاج میں قائدانہ کردار ادا کیا اور برطانیہ میں تاریخ ساز جلوس کی قیادت کی۔ اس جلوس میں عوام کی کثیر تعداد کو دیکھ کر بریڈ فورڈ کے 10 عیسائی نوجوانوں نے اسلام قبول کیا۔

درج ذیل مضمون میں تاریخ کے ایسے میر جعفر و میر صادق کی حقیقت بیان کی گئی ہے جو بھیڑ کے روپ میں بھیڑیے ہیں۔ انگریز کے کارسلیس ان گماشتوں نے پروپیگنڈے کے بنیاد پر تاریخ کو مخ کن کرنے کی ناپاک سعی کی ہے۔ حضرت علامہ نے تاریخی حقائق کو درست رکھنے کی خاطر انہی کے بدوں کی کتب سے حقائق بیان کرتے ہوئے سادہ لوح سنیوں کو ان کی سازشوں سے بچنے کی طرف متوجہ کیا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

برادران اسلام!

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دین اسلام کو جو نقصان اپنوں کے بھیس میں غیروں نے پہنچایا

وہ متحارب قوتیں بھی نہیں پہنچا سکیں۔ جب بھی کفار و مشرکین نے اسلام کو چیلنج کیا، شجر اسلام کو اکھاڑ پھینکنے کی سازش کی تو فرزند ان توحید و رسالت نے اس کا منہ توڑ جواب دیا اور ایسے مقابلوں میں مسلمانوں نے بڑی سے بڑی طاقتوں کے دانت کھٹے کر دیئے اور ان کو ثابت کر دیا کہ اسلام ایک مکمل رابطہ حیات اور کامل طاقت و قوت کا نام ہے جسے میٹھا سمجھ کر نگاہ نہیں جاسکتا۔

جب سرفروشان اسلام نے کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کا ہر حربہ ناکام کر دیا تو انہیں اس قسم کے لوگوں کی ضرورت پڑی جو ظاہری طور پر مسلمان ہونے کا دعویٰ کریں مگر در پردہ دشمنان اسلام ہوں۔ مسلمانوں کے عروج کے ساتھ ہی ان منافقین کی سرگرمیاں بھی عروج پر پہنچیں۔ اگر کہیں مسلمانوں کو ہزیمت یا مصائب و مشکلات پیش آئیں تو ایسے ہی لوگوں کی سازش پس پردہ تھی۔ ہندوستان میں جب اولیاء کرام کے فیضان سے دین اسلام کو عروج حاصل ہوا تو دشمنان اسلام نے یہاں سے اسلام اور اہل اسلام کو ختم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں اور اپنے ہر قسم کے حربے استعمال میں لانے کے باوجود جب وہ ناکام ہوئے تو انہوں نے ماضی میں استعمال شدہ نسخے کو آزمانے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں وہ ایک حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

ایمان کے ڈاکوؤں کی تلاش: انہوں نے مسلمانوں میں ایسے لوگ تلاش کئے جو بے ضمیری اور دین فروشی میں اپنی مثال آپ ہوں اور ان ضمیر فروشوں نے جو کردار ادا کیا وہ ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ کے انتہائی غلیظ اور سیاہ ترین ابواب ہیں۔ تاریخ کے صفحات میں ایسے سینکڑوں بے ضمیر کہیں میر جعفر و صادق کے روپ میں نظر آتے ہیں اور کہیں ابوالفضل و فیضی کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔

جہاں جعفر و صادق نے میدان کا رزار میں مسلمانوں سے غداری کر کے انہیں ذلت و رسوائی اور شکست سے دوچار کر دیا وہیں پر ہمیں ابوالفضل و فیضی مسند علم پر فروکش ہو کر دین و مذہب کا حلیہ بگاڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسلام دشمن قوتوں کے اس حربے کے استعمال سے انہیں مطلوبہ فوائد حاصل ہو گئے اور انگریز نے شجر اسلام کی جڑوں پر ایک اور ضرب لگانے کا منصوبہ بنایا۔ وہ یہ کہ

مسلمانوں کے دلوں سے وہ جذبہ نکال دیا جائے جس کے بل بوتے پر یہ بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکرانے سے تامل نہیں کرتے اور وہ جذبہ ہے عشق رسالت ﷺ کا۔ اس جذبہ عشق و مستی کے متعلق انگریزوں کے بڑے بڑے پالیسی میکرز اور سکالرز نے کہا تھا کہ جب تک ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں سے عشق مصطفیٰ ﷺ کی دولت کو لوٹا نہیں جاتا اس وقت تک ہمارا کوئی پروگرام کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہم سرزمین ہند کے سیاسی میدان میں کامیاب ہو سکتے ہیں نہ ہی مذہبی میدان میں۔ یہ کام سرانجام دینے کے لئے انہیں ستے دامنوں لٹیرے مل گئے جنہوں نے اپنے فرض منصبی کو پورا پورا نبھانے کی کوشش کی اور صراطِ مستقیم، تقویۃ الایمان، تحذیر الناس، حفظ الایمان اور بلوغۃ الحیران وغیرہ کے نام سے مسلمانوں کے ایمان پر منظم اور زبردست یلغار کر دی۔ یوں تو اور بھی بہت سے نام ایمان فروشوں اور ضمیر فروشوں کی لسٹ میں آسکتے ہیں مگر دین فروش کی فہرست میں سب سے اعلیٰ مقام ابن عبد الوہاب نجدی اور ابن تیمیہ کے گماشتوں نے حاصل کیا جن کا ہیڈ کوارٹر ہندوستان کے شہر دیوبند میں تھا۔ دیوبند گویا دین فروش اور ضمیر فروش کا ایک امتیازی نشان اور علامت بن گیا۔ جہاں بھی تاریخ میں ضمیر فروش کی روایات ملتی ہیں درپردہ یا ظاہراً ان کا دیوبند سے ہی ناٹھ ہوتا ہے۔ سابقہ دور کے خدایوں سے ان انگریز کے کاسہ لیسوں میں یہ کمال بھی بدرجہ اتم موجود تھا کہ پہلے دور میں سیاسی اسٹیج پر جو خدایاں تیار کیے جاتے وہ قوم و ملت سے غداری کرتے اور دین فروش علیحدہ تیار کئے جاتے جو خلاف اسلام طاقتوں کے حق میں شعائر اسلامی کی تاویلات کرتے لیکن انہوں نے تو کمال ہی کر دیا کہ دونوں محاذ خود ہی سنبھال لئے یعنی بلا شرکت غیرے دین فروش اور ضمیر فروش کو اپنے کھاتے میں ڈال لیا۔

ہندوستان میں جب سے اس فتنے نے سر نکالا ہے علماء حق اہل سنت و جماعت نے اسی وقت سے اس کی بھرپور مخالفت کرتے آئے ہیں۔ شیران اہلسنت سادہ لوح مسلمانوں پر واضح کرتے آئے ہیں کہ یہ دشمنان اسلام ہیں، خدا اور خدا کے رسول کے دشمن ہیں۔ علمائے اہل سنت کی ان کے

خلاف اس بھرپور تحریک نے دیوبندیوں نجدیوں کے عزائم خاک میں ملا دیے اور ان کی تحریک سرد پڑنے لگی۔ مگر سات سمند پار سے آیا ہوا گورا جو درحقیقت دیوبندی نجدی ملاؤں کا آن داتا تھا، نے ایک نئی چال چلی اور اس گروہ کو دو تین روپ دے دیئے اور ان کو پھر سے مسلمانوں کے پیچھے لگا دیا یوں سادہ لوح مسلمانوں کو انگریز نے اپنے دام تزویر میں پھنسانے کا سامان کیا۔ گورنمنٹ انگلشیہ نے ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت کسی کو تبلیغی جماعت کا نام دے دیا، کسی کو جمعیت العلماء اسلام کا نام دیا اور کسی کو تحریک مجاہدین کے نام سے متعارف کرایا۔ دراصل ان تمام کامشن ایک ہی تھا۔ وہ مقصد وحید مسلمانوں کے دلوں سے عشق مصطفیٰ ﷺ کو ختم کرنا اور مسلمانوں کے دلوں سے غیرت اسلامی و حمیت اسلامی ختم کر کے انگریز کے غلام ابن عبد الوہاب نجدی کا پیروکار بنانا اور اس کے ملحدانہ عقائد کی ترویج و اشاعت تھی۔ علماء اہل سنت نے ہر مقام پر ان کی سرکوبی کی اور ہر طریقہ سے مسلمانوں کو ان کے دامن تزویر سے محفوظ رکھنے کی جدوجہد کی جس میں بجز اللہ وہ کامیاب رہے۔

تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش

یہ لوگ سرکار انگلشیہ کی پرانی تعلیمات کے مطابق مختلف لبادے اوڑھ کر روایتی بے غیرتی اور منافقت کا ثبوت دیتے ہوئے چور دروازے سے پاکستان کی غیر جمہوری و غیر اخلاقی حکومت میں شامل ہو گئے ہیں اور کرسی اختیار پر براجمان ہوتے ہی انہوں نے اپنے سابقہ غلیظ و مکروہ کردار اور اپنے اکابر کی شرمناک دین فروش اور ضمیر فروش کے حقیقی واقعات میں توڑ موڑ شروع کر دی ہے۔ مزید برآں تمام ذرائع استعمال میں لاتے ہوئے یہ پروپیگنڈا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ہمارے اکابر بہت بلند کردار، خادم دین اور محبت قوم و ملت تھے۔ یہ بے دین لوگ اپنے خلاف اسلام عقائد کا پرچار کھلے عام کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ علماء حق اہل سنت و جماعت کے کردار کو مسخ کرنے کی مہم شروع کر رکھی ہے۔ رسوائے زمانہ کتاب تقویۃ الایمان سے اقتباسات ریڈیو اور ٹی وی پر نشر کئے جا رہے ہیں جو مملکت پاکستان میں بسنے والے سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے دینی

ہذا کے ساتھ کھیلنے کے مترادف ہے۔

جمعیت علماء اسلام اور تبلیغی جماعت کی حقیقت

یہ لوگ اپنی مکمل تاریخ کو بدل کر پروپیگنڈا سے سادہ لوح عوام کو یہ دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ تحریک آزادی میں ہمارے مجاہدین نے کام کیا اور دیوبندی ملاؤں نے انگریز کی مخالفت کی اس کے علاوہ تحریک پاکستان پر پروپیگنڈا سے قبضہ جمانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ نیز بعض ایسے شواہد موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہر مقام پر فرقہ واریت اور تعصب سے کام لیتے ہوئے اہل سنت کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اس سے پہلے کہ ان کے سد باب کے متعلق کوئی مشورہ دیا جائے یا کسی لائحہ عمل کا تذکرہ ہو دیوبندیوں، نجدیوں کے اکابرین کی صحیح تصویر انہیں کی زبانی ملاحظہ ہو۔ اس سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ موجودہ دیوبندیوں کے دعووں میں حقائق سے کس حد تک مطابقت ہے۔

● کلکتہ میں جمعیت العلماء اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایما سے قائم ہوئی۔

● مولانا حافظ الرحمن سیوہاروی ناظم اعلیٰ جمعیت علماء دیوبند دہلی نے کہا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو ابتداء حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہو گیا۔ ۲

قارئین!

غور فرمائیں کہ حکومت انگلشیہ کو تبلیغی جماعت کی مالی امداد کر کے کیا فائدہ تھا؟ ثابت ہوتا ہے کہ بانی تبلیغی جماعت الیاس صاحب سادہ لوح مسلمانوں کو کلمہ سیدھا کروانے کا ڈھونگ رچا کر در پردہ سرکار انگلشیہ کی آکھنٹی کرتے ہوئے سادہ لوح مسلمانوں سے عشق مصطفیٰ ﷺ کی دولت لوٹ کر اپنی سرکار انگلشیہ کے غلام بنانا چاہتے تھے۔

۱۔ مکالمۃ الصدرین، صفحہ: ۷

۲۔ ایضاً، صفحہ: ۸

تحریک آزادی میں نجد و دیوبند کا کردار

سنی بھائیو! انگریزوں کے ایجنٹ تبلیغی سادھوؤں کے سینے بغض مصطفیٰ ﷺ سے بھرے ہوئے ہیں ان سے حتی المقدور ہوشیار رہیں۔ آئیے! سب سے پہلے تحریک آزادی میں نجد و دیوبند کی پیداوار ملاؤں کے کردار کا سرسری نظر سے معائنہ کرتے ہیں۔

● دیوبندیوں کے اکابرین مولوی رشید احمد گنگوہی اور بانی دیوبند مولوی قاسم نانوتوی کے متعلق خود ان کا شاگرد مولوی عاشق الہی میرٹھی دیوبندی لکھتا ہے کہ ”حضرت امام ربانی (رشید احمد گنگوہی) اپنے رفیق جانی مولانا قاسم نانوتوی و حافظ ضامن کے ہمراہ تھے کہ بند و قچیوں (مجاہدین آزادی) سے مقابلہ ہو گیا۔ یہ نبرد آزما جتھہ اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے یا ہٹ جانے والا نہ تھا۔“ ۱

مولوی عاشق الہی کی اس عبارت سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اکابرین دیوبند سرکار انگلشیہ کی محبت میں اتنے غالی ہو چکے تھے کہ مجاہدین آزادی سے مقابلہ کرنے سے بھی گریز نہیں کیا اور پھر مجاہدین آزادی کو اپنی سرکار کا باغی تصور کر کے ان کا مقابلہ کیا۔ ساتھ ہی نوٹ فرمائیں کہ انگریز کے حق میں مجاہدین سے لڑنے والے کوئی عام سے آدمی نہیں بلکہ بانی مدرسہ دیوبند اور تمام نجدیوں کے پیشوا مولوی قاسم نانوتوی اور دیوبندیوں کے شیخ ربانی رشید گنگوہی ہیں۔

● ”دیوبندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا

گیا ہے کہ ان کو ۶۰۰ (چھ سو) ماہوار حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔“ ۲

سرکار انگلشیہ سے چھ سو روپیہ کس خدمت کے صلہ میں مل رہا ہے؟ بات بڑی پختہ ہے اور راوی بھی کمزور نہیں بلکہ دیوبندیوں کا مولوی شبیر احمد عثمانی کہہ رہا ہے۔ چلو یہ تو پتہ چلا کہ دیوبندیوں نجدیوں کے حکیم الامت کے دین اور ضمیر کی قیمت صرف چھ سو روپیہ ہے۔

۲۔ مکالمۃ الصدرین، صفحہ: ۱۰

۱۔ تذکرۃ الرشید، صفحہ: ۷۴، ۷۵

سید احمد اور شاہ اسماعیل ”مجاہد یا غدار“

ان حضرات کے متعلق بھی پڑھ لیجئے جن کو نجدی دیوبندی امیر المجاہدین علیہما علیہ کہتے ہوئے تھکتے نہیں ہیں۔ ان کی اپنی کتابیں ہیں اور ان کے ہم مسلک وہم مشرب لکھنے والے ہیں میری حیثیت تو محض ناقل کی ہے۔ ان حوالہ جات سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکیں گے کہ جس تحریک کو وہابیوں نے جہاد کا نام دیا دراصل اسے ”تحریک زراندوزی و ایمان فروشی“ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ درج ذیل حوالہ سے آپ اندازہ لگائیں کہ ان انگریزوں کے پھووس نے کس طریقہ سے للہیت کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کا ناحق خون کیا اور کرایا۔ کس طرح میدان جنگ میں سکتے ہوئے نڈہال زخمی سپاہیوں کو چھوڑ کر فرار ہو گئے۔

● — مرزا حیرت دہلوی کی کتاب میں ہے کہ ”کلکتہ میں جب مولانا اسماعیل نے جہاد کا وعظ شروع کیا اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی تو ایک شخص نے دریافت کیا کہ آپ انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ تو آپ نے کہا ان پر جہاد کرنا کسی طرح واجب نہیں ہے۔ ایک تو ہم ان کی رعیت ہیں، دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست درازی نہیں کرتے۔ ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے بلکہ ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر کوئی آنچ نہ آنے دیں۔ ۱۔

اس سوانح اور مسئلہ مکتوبات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کا سرکار انگریز سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہ تھا۔ وہ اس آزاد عمل داری کو اپنی ہی عمل داری سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریز اس وقت سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو مدد نہ پہنچتی مگر سرکار انگریز اس وقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔

● — سید احمد کا یہ مقولہ بھی پڑھ لیجئے کہ سرکار انگریز پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصول

۱۔ مذہب طرفین کا خون بلا سبب گرا دیں۔ ۱۔

● — سید احمد اور اسماعیل کی لڑائی سکھوں سے ہی نہیں بلکہ انگریزوں کے اشارے پر مسلمانوں سے بھی ہوئی اور سکھوں سے پہلے اپنی تلواروں سے مسلمانوں کا ناحق خون بہایا۔ ملاحظہ فرمائیں: ”حضرت مولوی رشید احمد گنگوہی نے اس سلسلہ میں فرمایا کہ حافظ جانی سکنہ انپٹھ نے مجھے بیان کیا تھا کہ وہ قافلہ میں ہمراہ تھے۔ بہت سی کراہتیں حضرت سید صاحب سے دیکھیں۔ مولوی عبدالحی لکھنوی، مولوی اسماعیل دہلوی اور مولوی محمد حسین رامپوری بھی ہمراہ تھے اور سب حضرات حضرت سید صاحب کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے۔ سید صاحب نے پہلا جہاد مستی یا محمد خان حاکم یامستان سے کیا تھا“۔ ۲۔

● — سید احمد میدان جنگ میں نہیں مرا تھا بلکہ سادہ لوح ہمراہیوں کو مردا کر خود فرار ہو گیا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں: ”دوسرے شخص نے بیان کیا ہم انہی دنوں سید صاحب کو ایک پہاڑی میں تلاش کر رہے تھے۔ دفعۃً کچھ فاصلہ پر گڑ گڑا ہٹ سنا۔ میں وہاں گیا تو دیکھا کہ سید صاحب اور ان کے دو ہمراہی بیٹھے ہیں۔ میں نے سلام و مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت کیوں غائب ہو گئے؟ سب لوگ بغیر آپ کے پریشان ہیں۔ مجبور ہو کر ہم نے فلاں شخص کو خلیفہ بنا لیا ہے اور ان کی بیعت کی ہے۔ آپ نے اس پر تحسین کی اور فرمایا کہ ہم کو اب غائب رہنے کا حکم ہوا ہے اس لئے ہم نہیں آ سکتے۔ اتنا فرما کر قافلہ والوں کی حالت پوچھی اور پھر روانہ ہو گئے۔ میں نے بھی ہمراہ ہونے کے لئے عرض کیا تو منع فرمایا اور سید صاحب مع ہمراہیان غائب ہو گئے“۔ ۳۔

ان تمام حوالہ جات سے واضح ہوتا ہے کہ اسماعیل دہلوی اور سید احمد انگریزوں کے ایجنٹ تھے اور انگریزوں کے اشارے پر انہوں نے سکھوں سے لڑائی کا ڈھونگ رچایا۔ اس کے علاوہ وہ صرف سکھوں

سے ہی نہیں لڑے بلکہ حاکم یا غستان یار محمد سے بھی لڑے جیسا کہ اس کے نام اور ملک سے واضح ہے کہ وہ مسلمان تھانیز اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نہیں رہے بلکہ ان کو وہیں چھوڑ کر خود انگریز حکومت کے آرڈر پر فرار ہو گئے۔

یہ تمام حقائق ہیں جو نجدیوں، دیوبندیوں کی اپنی کتابوں سے پیش کئے گئے ہیں اور ان میں کسی قسم کے مبالغہ سے کام نہیں کیا گیا۔ من وعن انہی کے چاہنے والوں کی وہ عبارتیں پیش کی ہیں جنہوں نے اسماعیل اور سید احمد کے چہرے سے پروپیگنڈا کے زور سے تقدس کا ڈالا ہوا پردہ نوج کر رکھ دیا ہے۔

اندریں حالات دیوبندی، نجدی، مودودی وغیرہ حقائق کو مسخ کر کے تاریخ کو جھٹلاتے ہوئے دین و ملت کے غداروں کو مجاہد حق ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس مذموم کوشش میں روز بروز تیزی سے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ان لوگوں نے سب سے پہلے تاریخ کو مسخ کیا۔ آج سکول و کالج کے سیلپس میں صرف ان غداران دین و وطن کا تذکرہ ہے اور ان کو ایسے بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے کہ نوجوان نسل ان کو ہی اپنے اسلاف اور مجاہدین آزادی تصور کریں۔ آج دیوبندیوں، نجدیوں کو اسٹیج پر یہ کہتے ہوئے ذرہ برابر شرم نہیں آتی کہ اسماعیل دہلوی، سید احمد بریلوی اور دوسرے دیوبندیوں نجدیوں کا تحریک آزادی میں حصہ تھا۔ ان کا گمراہ کن پروپیگنڈا اس حد تک ہو چکا ہے کہ سادہ لوح اور بے خبر نوجوان طبقہ ایک حد تک گمراہی کا شکار ہو چکا ہے۔

تحریک آزادی میں اکابرین اہلسنت کا درخشاں کردار

سرخیلان تحریک آزادی، شہیدان جنگ آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی شہید، مولانا سید کفایت علی کافی شہید، مولانا شاہ احمد اللہ مدراسی شہید، مولانا غلام امام شہید، جنرل بخت خان، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا فیض احمد بدایونی، مولوی امام بخش صہبائی، مولانا رضا علی خان، مولانا وہاب الدین، مفتی انعام اللہ وغیرہم یہ تمام بزرگ علماء اہل سنت اور سرفروشان ناموس مصطفیٰ ﷺ ہیں جنہوں نے شیع آزادی کو فروزاں کرنے کی خاطر اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر دیئے اور

انگریزوں کے خلاف تحریک چلانے کی پاداش میں مولانا سید کفایت علی کافی کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مفتی رسول بخش کاکوروی اور کئی ایک زعماء کو دریائے شور کی سزائیں دی گئیں۔ علامہ فضل حق خیر آبادی کا وہیں انتقال ہوا اور بہت سے رہنمایان قوم کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ یہ بات تمام مورخین تسلیم کرتے ہیں کہ انہی علمائے اہل سنت نے تند و تیز آمدھی میں شیع آزادی کو جلانے رکھا مگر وائے تعصب اور بے غیرتی کہ ان رہنمایان قوم کو غدار کہنے کی مذموم کوشش کی جا رہی ہے۔ ان علماء اہل سنت کے متعلق مختصر احوالہ جات ملاحظہ فرمائیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء اہل سنت نے ہی تحریک آزادی میں حصہ لیا۔

● علامہ (فضل حق خیر آبادی) جنرل بخت خان کے پاس ملنے کے لئے پہنچے۔ مشورہ کے بعد علامہ نے آخری تیر ترکش سے نکالا۔ بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی اور استفتاء پیش کیا۔ مفتی صدر الدین آزرہ صدر الصدور دہلی، مولوی عبدالقادر، قاضی فیض اللہ، مولانا فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خان اکبر آبادی، سید مبارک شاہ رام پوری نے دستخط کر دیئے۔ اس فتوے کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔ دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی۔ ۱۔

● دہلی اور میرٹھ کی خبریں جب لکھنؤ پہنچیں تو وہاں بھی حریت کے شیدائیوں نے آزادی کی جدوجہد شروع کر دی۔ مرزا برجیس قدر کی بادشاہت کا اعلان کرانے اور لوگوں کو آزادی وطن کے لیے جہاد میں شامل ہونے کے لئے تبلیغ کرنے والا بھی ایک عالم ہی تھا۔ اور یہ تھا صوفی احمد اللہ شاہ۔ اس کے متعلق سر تھا مس اسٹینس نے لکھا ہے کہ صوفی احمد اللہ شاہ جسارت، عظیم البرکت، عزم محکم کا مالک تھا اور ان تمام میں بہترین سپاہی تھا۔

● واجد علی شاہ کی معزولی کے کچھ عرصہ بعد ہندوستان گیر تحریک شروع ہوئی۔ مولانا فضل حق کو اپنا وطن عزیز تھا اور وہ اس کی غلامی پر کڑھتے تھے۔ وہ اس سے واقف تھے کہ مسلمانوں نے جاہ و جلال

کے ساتھ اس ملک پر کم و بیش ایک ہزار سال تک حکومت کی اور یہ حکومت مائل بہ زوال و انحطاط ہے اور اس زوال و انحطاط کا سبب انگریز ہیں۔ وہ انگریزوں سے نفرت کرتے تھے اور انگریزوں کو ٹکالنے کے لئے ہر منظم اور باقاعدہ تحریک میں حصہ لینے پر دل و جان سے آمادہ رہتے تھے۔ چنانچہ غدر جب شروع ہوا تو مولانا بلاتامل شامل ہو گئے۔ وہ بہادر شاہ کے معتمد اور مقرب مشیر تھے۔ ان کے دربار میں شریک ہوا کرتے تھے۔ انہیں اہم معاملات و مسائل پر مشورہ دیا کرتے تھے اور اس بات کے مساعی تھے کہ آزادی کی یہ تحریک کامیاب ہو اور انگریز اس دہس سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رخصت ہو جائیں۔ مولانا نے غدر میں دلیری اور جرأت کے ساتھ اعلانیہ حصہ لیا اور انہوں نے متعدد والیان ریاست اور امرائے ہند کو اس تحریک میں شامل کرنے کی کوشش کی۔ جس جس والی ریاست سے ان کے ذاتی تعلقات و مراسم تھے خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان خود اس کے پاس پہنچے اور اسے آزادی وطن کا واسطہ دے کر جدوجہد میں شریک کرنے کی کوشش کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک کو مولانا کی شرکت سے بڑی ہی تقویت پہنچی۔ ۱۔

● اس ظالم حاکم نے میری جلاوطنی کا حکم دے دیا اور عقیدہ کا حکم صادر کر کے عبور دریائے شور کی سزا سنائی۔ میری کتابیں، میری جائیداد اور مال و متاع اور اہل و عیال کے رہنے کا مکان غرض ہر چیز پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ ۲۔

● مجاہد اعظم حضرت مولانا سید کفایت علی کافی مراد آبادی نے مراد آباد میں فرنگی سامراج کے خلاف علم جہاد بلند فرمایا اور جدھر آپ کا رخ ہوا برطانوی استبداد کے پر نچے اڑ گئے۔ سلطان بہادر شاہ ظفر نے آپ کو مشورہ کے لئے بلایا اور مولانا نے جنرل بخت خان، شیخ افضل صدیقی، شیخ بشارت علی خان، مولانا شاہ احمد اللہ مدرسی کی معیت میں مختلف محاذوں پر انگریزوں کو شکستیں دیں۔ رام پور اور مراد آباد کے اکثر معرکے سر کئے۔ بالآخر انگریزوں کے پٹھو کلال فخر الدین اور دوسرے خاندانوں کی ۱۔ بہادر شاہ ظفر صفحہ ۸۶۲۔

سازش سے 30 اپریل 1857ء کو گرفتار کر لیے گئے۔ مراد آباد جیل سے متصل برسر عام آپ کو انگریزوں نے تختہ دار پر لٹکا دیا۔ پھانسی کے وقت مولانا کافی شہید درج ذیل اشعار بڑے ترنم و ذوق کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔

کوئی گل باقی رہے گا نہ چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دین حسن رہ جائے گا
ہم صغیر و باغ میں ہے کوئی دم کا چھپھا
بلبلیں اڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائے گا
اطلس و کھواب کی پوشاک پہ نازاں نہ ہو
اس تن بے جان پہ خاکی کفن رہ جائے گا
سب فنا ہو جائیں گے کافی و لیکن حشر تک
نعت حضرت کا زبانوں پہ اثر رہ جائے گا ۱۔

ان کے علاوہ علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت اللہ کا کوروی، مفتی رسول بخش کا کوروی اور کئی زعماء کو عبور دریائے شور کی سزائیں سنائی گئیں۔ ان میں سے علامہ فضل حق خیر آبادی کی شہادت بھی دریائے شور کے کنارے ہوئی۔ ہندوستان میں انگریزی حکومت سے جہاد کرتے ہوئے اہل سنت کے عظیم پیشوا مولانا شاہ احمد اللہ مدرسی شہید ہوئے اور بے شمار علمائے کرام اور زعماء اہل سنت نے مشکل سے مشکل مقام پر ثابت قدمی اور استقامت کا ثبوت دیا۔ شیخ مصطفیٰ علیؒ کے پروانوں نے دین مصطفیٰ علیؒ کی سر بلندی اور وطن عزیز کی آزادی کی خاطر اپنی جانیں نچھاور کر دیں۔

آج نوجوان نسل علماء اہل سنت کے کارناموں سے نا آشنا ہے۔ اس کی وجہ ابن تیمیہ اور ابن عبد الوہاب نجدی کی معنوی اولاد یوہندیوں، نجدیوں، مودودیوں کا غلط پروپیگنڈا ہے جس نے تاریخ

کوسخ کر ڈالا ہے۔ جو لوگ غداران دین و ملت ہیں ان کو قوم کا ہیرو بنا کر پیش کیا جا رہا ہے اور جن لوگوں نے سر بلندی دین اور آزادی وطن کی خاطر اپنی جانیں نثار کر دیں ان کا تاریخ میں کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ بعض متعصب اور کوتاہ نظر دیوبندیوں، نجدیوں نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی اور ان کے ساتھی تحریک آزادی کے مخالفین میں سے تھے۔

سنی بھائیو! غور کرو کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟؟؟ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ علماء و مشائخ اور عوام اہل سنت گہری نیند سوچکے ہیں۔ وہ اکابرین کو بہتر طریقہ سے خراج عقیدت پیش کرنا تو کجا ان کی اصلی تاریخ کو بھی محفوظ رکھنے کے قابل نہیں رہے اور اپنے اسلاف کی روشن تاریخ پر کئے گئے حملوں کے جواب کی بھی اپنے میں سکت نہیں رکھتے۔

سنی بھائیو! شہیدان جنگ آزادی کی روحوں کو بے چینی کے سمندر سے نکال کر سکون پہچانے کے لئے اور اپنی نوجوان نسل کو حقائق سے روشناس کرانے کے لئے ہمیں جاگنا پڑے گا۔ ان لوگوں کو تاریخ بے غیرت کہتی ہے جو اپنے اسلاف کے چمکتے ہوئے ماضی کو اپنی آنکھوں کے سامنے سیاہ بلکہ سیاہ تر ہوتے ہوئے آرام سے دیکھتے ہیں۔ ہمیں اپنے عمل سے ثابت کرنا ہے کہ ہم بے غیرت نہیں بلکہ با غیرت ہیں۔ اس سلسلہ میں پورے نظم و ضبط کے ساتھ منظم طریقہ سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ یہی آپ کا حق ہے اور یہی وقت کی پکار ہے۔

تحریک پاکستان میں نجدیوں، دیوبندیوں کا کردار

آئیے! اب تحریک پاکستان میں دیوبندیوں، نجدیوں کو تاریخی حیثیت سے دیکھتے ہیں اور ان کے ممتاز اکابرین کی پاکستان کے بارے میں رائے ملاحظہ فرمائیں۔

● ”ہم لوگ پاکستان کو پلیدستان سمجھتے ہیں“ ۱

☆ جن لوگوں نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا اور تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے کی کوشش کی ان کے متعلق دیوبندیوں نجدیوں کے اکابرین کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

● ”جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سؤر ہیں اور سؤ رکھانے والے ہیں“ ۱

☆ قائد اعظم محمد علی جناح کے متعلق دیوبندیوں کے خیالات نظر نواز ہیں۔

● ”دس ہزار جناح جواہر لال کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جاسکتے ہیں“ ۲

● ”یہ قائد اعظم ہے یا کافر اعظم“ ۳

☆ یہ خیالات تحریک پاکستان کے وقت ہی نہیں تھے پاکستان بن جانے کے بعد بھی ان کا مگر لیس نواز ملاؤں کے یہی خیالات ہیں اور یہ لوگ دل سے ابھی تک پاکستان کے دشمن ہیں۔ اس سلسلے میں حوالہ ملاحظہ ہو:-

● جو لوگ پاکستان کی مخالفت کرتے تھے جب یہ کہتے تھے کہ یہ محض فریب ہے، سیاسی چال ہے، تو کیا وہ غلط کہتے تھے۔ ۴

● عبد الماجد دریا آبادی لکھتا ہے کہ دریا آباد ۲۳ فروری آج چار دن سے اس قصبہ پر کانگریسی مسلمانوں کا دھاوا ہے۔ دیوبند کے طلبہ کا ایک دستہ آیا ہوا ہے اور اپنے مسلک کی تبلیغ یا کوشش تبلیغ میں مصروف ہے۔ قیام ان کا ”دھر مسالہ“ میں ہے حالانکہ قصبہ میں ایک نہیں دو ”سرائے“ مسلمانوں کی موجود ہیں۔ ان کا رہنا سہنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا تمام تر ہندوؤں کے ساتھ ہے۔ ۵

اس کے علاوہ اور بے شمار حوالہ جات ہیں جن میں ان لوگوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو آج گاندھی نبی ہوتا اور گاندھی کو منبر رسول ﷺ پر بٹھا کر نعرے لگائے۔

صاحب پورہ شریف کے مریدین یا سید محمود شاہ گجراتی جنہوں نے تحریک پاکستان میں اپنی تقریروں سے مسلمان ہند کو حضرت قائد اعظم کی ہمنوائی اور رفاقت کے لئے ابھارا تھا۔ ان کا کوئی شاگرد ہونا چاہیے۔ ۱۔

● — لاہور ۷ جولائی صوبہ سرحد کے مسلم لیگی زعماء جو قائد اعظم سے تبادلہ خیالات کرنے کے لئے دہلی گئے ہوئے تھے آج دہلی سے بذریعہ ہوائی جہاز پشاور جاتے ہوئے تھوڑی دیر کے لئے لاہور کے فضائی اڈہ پر اترے۔ لاہور کے بے شمار مسلمانوں نے سرحدی زعماء کا استقبال کیا۔ استقبال کرنے والوں میں مولانا ابراہیم علی چشتی اور مولانا عبدالستار خان نیازی ایم اے پنجاب بھی شامل تھے۔ نمائندہ پریس سے انٹرویو کے دوران پیر صاحب مانگی شریف نے کہا کہ صوبہ سرحد کے مسلمانوں کا مستقبل نہایت درخشاں ہے اور وہ پاکستان کی تعمیر میں اہم کردار ادا کریں گے۔ پیر صاحب نے مولانا ابراہیم علی کو بتایا کہ وہ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی تحریک کے خاتمہ کے بعد مسلم قوم کی اخلاقی بلندی کے لئے جدوجہد کریں گے۔ ۲۔

اس کے علاوہ اور بے شمار حوالہ جات نہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء و مشائخ اہل سنت نے تحریک پاکستان میں بھرپور کردار ادا کیا۔ اسی لئے حضرت قائد اعظم نے علامہ ابوالحسنات قادری کو ”شیر کشمیر“ کا لقب عطا کیا اور مولانا عبدالحامد بدایونی کو بین الاقوامی سطح پر پاکستان کے متعلق اپنے موقف سے آگاہ کرنے والے کمیٹی میں رکھا۔ انہیں علماء و مشائخ اہل سنت پر اعتماد بلکہ فخر تھا۔ انہیں علماء و مشائخ اہل سنت کی مساعی جلیلہ سے ہی ہر جگہ مسلم لیگ کو کامیابی نصیب ہوئی اور کانگریسی لال بھٹکے ملاؤں کو منہ کی کھانی پڑی۔

نجدی دیوبندی ٹولے کی سازشیں

سنی بھائیو! آج دیوبندی، نجدی، مودودی یہ بھرپور کوشش کر رہے ہیں کہ تحریک پاکستان کی

تحریک پاکستان میں علمائے اہل سنت کی لازوال خدمات

اس کے برعکس علماء اہل سنت و جماعت بریلوی نے تحریک پاکستان میں بھرپور کردار ادا کیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ علماء اہل سنت نے آل انڈیا بنارس کانفرنس میں نہ صرف مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا بلکہ یہاں تک کہا کہ اگر مسٹر جناح پاکستان کے مطالبہ سے دست بردار ہو جائیں تو ہم پھر بھی اس تحریک کو نہیں چھوڑیں گے اور پاکستان بنا کر دم لیں گے۔ جب منٹو پارک لاہور میں قائد اعظم نے قرارداد پاکستان منظور کروائی اس وقت سٹیج پر مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا عبدالغفور ہزاروی بھی موجود تھے۔ محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب نے اندرون ہندوستان طوفانی دورہ کر کے مسلمانوں کو مسلم لیگ کی طرف بلایا اور تحریک پاکستان کی افادیت سے آگاہ کیا۔ علامہ ابوالحسنات، پیر صاحب مانگی شریف، پیر صاحب آف زکوڑی شریف، امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ، پیر صاحب بھرچونڈی شریف، پیر صاحب شرچپور شریف وغیرہ نے اپنے مریدوں سمیت تحریک پاکستان میں بھرپور کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں چند حوالہ جات اختصار کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں:

● — اس کے بعد مسٹر عبدالستار خان نیازی ایم اے نے پاکستان ریزولیشن (قرارداد) پیش کرتے ہوئے پر جوش تقریر کی۔ مرزا عبدالحمید نے ریزولیشن کی تائید کی اور مسٹر جناح کی افتتاحی تقریر کے بعد ریزولیشن متفقہ طور پر پاس ہوا۔ ۱۔

● — مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن پنجاب کے منعقدہ کنونشن پر مولانا عبدالحامد بدایونی کے تاثرات: اس فرض سے پنجاب مسلم لیگ بھی غافل تھی۔ مقام شکر ہے کہ نو نہالان قوم نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے پاکستان کے عین مرکز میں کانفرنس کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۲۔

● — کاش جناح کا لوئی لائل پور کے مسلمان بھی سوچیں کہ اس اسلام کا علم بردار جو قیام پاکستان کا مخالف تھا۔ ہمارا خطیب و امام نہیں بلکہ کوئی مولانا محمد صادق سیالکوٹی، پیر صاحب گولڑہ شریف، پیر

مخالفت کا داغ ہم اپنے ماتھے سے دھو ڈالیں اور پروپیگنڈا کے زور سے نوجوان نسل کے ذہن میں بٹھا دیں کہ ہم نے تحریک پاکستان میں کام کیا اور ہمارے اکابرین نے قربانیاں پیش کیں۔ آج ہم اخبارات و رسائل میں پڑھ رہے ہیں کہ یہ کانگریسی "ملاں" اپنی روایتی منافقت کو کام میں لاتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ ہم نے تحریک پاکستان کی مخالفت نہیں کی تھی۔ انگریز اور کانگریس کے سکے کی پیداوار جمیعت علماء اسلام کے لیڈر جنہوں نے گوجرانوالہ شریعت کانفرنس میں برسرعام کہا تھا کہ ہم پاکستان بنانے کے جرم میں شریک نہیں تھے۔ آج یہ لوگ اپنے آپ کو پروپیگنڈا سے تحریک پاکستان کے جان نثار ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ابھی تک ان کا پروپیگنڈا موثر ثابت نہیں ہوا۔ جب بھی یہ اس قسم کی سازش کرتے ہیں محبت وطن علماء اہل سنت و صحافی ان کے منہ پر حقائق کا ایسا تھپڑ رسید کرتے ہیں کہ ہوش نہیں رہتی۔

سنی بھائیو! اگر آپ بیدار نہ ہوئے تو کل وہ دن دور نہیں جب یہ کانگریس کے کاہل پروپیگنڈا کے زور سے نوجوان نسل کے ذہنوں میں یہ بات راسخ کر دیں گے کہ ہم ہی تحریک پاکستان کے ہیرو ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اہل سنت منظم ہوں اور پورے نظم و ضبط کے ساتھ انھیں اور ہر سنی اپنے میں اتنا جذبہ پیدا کرے کہ جب بھی کوئی اسلاف کی تاریخ پر حملہ کرنے کی کوشش کرے تو اس کا منہ توڑ جواب دے سکے۔ جب اہل سنت منظم ہو جائیں گے تو اغیار کو اتنی جرأت ہی نہیں ہو سکے گی کہ وہ اہل سنت کے ساتھ کسی قسم کی بددیانتی سے کام لیں۔ ضرورت صرف پوری باقاعدگی کے ساتھ منظم ہونے کی ہے۔

پاکستان کے تمام محکموں میں جہاں تک ان کی رسائی ہے اہل سنت کے ساتھ معاندانہ سلوک کیا جا رہا ہے خصوصاً محکمہ اوقاف میں امتیازی سلوک ہو رہا ہے۔ اوقاف کی اکثر کلیدی اسامیوں پر دیوبندی قابض ہیں۔ اس کے باوجود کہ پاکستان میں اکثر آبادی اہل سنت کی ہے اور ملک کا سواد اعظم اہل سنت و جماعت ہیں لیکن اوقاف کی مساجد میں جہاں کوئی اسامی خالی ہوتی ہے یا کسی اہل

سنت خطیب کو انتقاماً تعصب کی بناء پر برطرف کیا جاتا ہے تو اس کی جگہ دیوبندی مقرر کر دیا جاتا ہے۔ اس کی مثالیں پاکستان میں تو بہت ہوں گی مگر پنجاب میں بھی ہمارے سامنے ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ اوقاف کا مقرر شدہ خطیب پہلے تو اپنے آپ کو اہل سنت کہلواتا ہے اور اپنے اسلاف کی طرح روایتی منافقت سے کام لے کر وہاں ڈیرہ جمالیتا ہے پھر آہستہ آہستہ سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے دامن تزویر میں پھنسا لینے کے بعد اپنے عقائد کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اوقاف کی کل آمدنی کا ۹۰ فیصد حصہ اہل سنت کا ہوتا ہے جو درباروں سے حاصل ہوتا ہے۔ جب حکومت آمدنی کا کچھ حصہ مدارس کو بصورت گرانٹ دیتی ہے تو دیوبندی، نجدی جو اوقاف کی بڑی اسامیوں پر قابض ہیں بددیانتی سے کام لیتے ہوئے دیوبندیوں، نجدیوں کے چھوٹے چھوٹے فرضی مدارس کو بھی بڑی بڑی گرانٹیں دیتے ہیں اور اہل سنت کے مرکزی مدارس کو یا تو بالکل ہی نظر انداز کر دیا جاتا ہے یا معمولی گرانٹ دی جاتی ہے۔

سنی بھائیو! یہ کیوں ہو رہا ہے؟ علماء اہل سنت بھی اوقاف میں شامل تو ہیں اور کام بھی کر رہے ہیں لیکن وہ ان بے اعتدالیوں اور بددیانتیوں کو روک نہیں سکتے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہم مسلک و عقیدہ لوگ منظم نہیں ہیں۔ ان کے پاس ایسی طاقت نہیں ہے جو ان کی تائید میں محکمہ پر پریشر ڈال سکے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل سنت منظم ہوں اور جب اہل سنت پورے نظم و ضبط کے ساتھ کوئی بھی مطالبہ کریں گے تو ایسے ٹوڈی قسم کے کاہل یسوں کی وہاں سے گنجائش ختم ہو جائے گی۔ آپ صورت طوفان ہیں کہ آپ کا سامنا کوئی نہیں کر سکتا مگر ضرورت صرف منظم ہونے کی ہے۔

وہابی دیوبندی ایک ہی سکے کے دو رخ

یہ بات حقائق سے ثابت ہے کہ دیوبندی، اہل حدیث تمام ہی وہابی ہیں اور ان کا پیشوا ابن عبد الوہاب نجدی ہے۔ اس کا اقرار خود دیوبندی اکابرین کر چکے ہیں۔ چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔

● چاہے فاسق کہیں یا کہ بے غیرت کہیں یا وہابی اور بے ملت کہیں اپنے حق میں مستقل زنگار ہے۔

● دیوبندیوں، وہابیوں کو اپنی قوت کا علم نہیں۔ یہ ایسی بات ہے جیسے کہ مشہور ہے بھیڑیے کو اپنی طاقت کا علم نہیں۔

● دیوبندی وہابیوں سے مذہباً اعتقاداً مکمل متحد ہیں چنانچہ رشید احمد گنگوہی لکھتا ہے: عقائد میں سب متحد مقلد و غیر مقلد ہیں۔

● مولوی اشرف علی تھانوی کا قول ہے کہ ”اگر میرے پاس دس ہزار روپیہ ہو تو سب کی تنخواہیں کر دوں، پھر خود ہی سب وہابی بن جائیں گے“

● کانپور کی جامع مسجد میں (جہاں تھانوی صاحب کے طلباء رہتے تھے) چند عورتیں مٹھائی پر نیاز دلانے کے لئے لائیں تو طلباء بغیر نیاز دیئے سب کھاپی گئے۔ اس پر بڑی برہمی پھیلی اور کافی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے تو تھانوی صاحب نے فرمایا بھی یہاں وہابی رہتے ہیں۔ یہاں نیاز و فاتحہ کے لئے کچھ مت لایا کرو۔

اس کے علاوہ اور بیسیوں حوالہ جات ہیں جن کو اختصار کے پیش نظر یہاں درج نہیں کیا گیا۔ مندرجہ بالا حوالہ جات دیوبندیوں کی مسلمہ کتابوں سے دیئے گئے ہیں جن میں اکابرین دیوبند نے تسلیم کیا ہے کہ ہم وہابی ہیں، ہمارے عقائد بھی وہابیوں، نجدیوں سے ہیں لہذا اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ آج دیوبندی پورے ملک میں پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ ہم اہل سنت ہیں اور اپنے پروگراموں کو سنی کا نفرنس سے منسوب کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے

۱۔ فتاویٰ الایمان و تذکیر الاخوان

۲۔ افاضات یومیہ، صفحہ: ۲۵۰

۳۔ فتاویٰ رشیدیہ، جلد: دوم، صفحہ: ۱۰

۴۔ افاضات یومیہ، جلد: سوم، صفحہ: ۶۷

۵۔ اشرف السوانح، حصہ: اول، صفحہ: ۳۵۰

ہیں۔ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ صرف اس لئے کہ اہل سنت منظم نہیں ہیں۔ اگر اہل سنت منظم ہو جائیں تو دیوبندی نجدی بددیانتی نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہ جرأت کر سکتے ہیں۔

افسوس کی بات ہے کہ آج اہل سنت میں بھی ایسے فتنہ پرور پیدا ہو رہے ہیں جو دیوبندیوں کو اہل سنت کا گروہ کہنے لگے ہیں۔ مجھے ان کے علم و عقل پر حیرانگی ہوتی ہے کہ جب اکابرین دیوبند نے بارہا علی الاعلان کہا ہے کہ ہم وہابی ہیں اور ہمارے عقائد بھی وہابیوں سے ہیں تو پھر دیوبندیوں کو اہل سنت کہنے یا سمجھنے کا کیا تنگ ہے؟؟؟

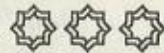
اہلسنت سے اپیل

سنی بھائیو! میں آپ سے پر زور اپیل کرتا ہوں کہ وقت کی نزاکت کو دیکھیں اور مذہب و ملت کے ناموس کی خاطر منظم طریقہ سے جدوجہد کریں۔ اگر آپ نے وقت کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے منظم جدوجہد نہ کی تو

۔ تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

اللہ تعالیٰ جل جلالہ مملکتِ خداداد پاکستان میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ اور مقامِ ختم نبوت و عظمت مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین! بجاہ النبی (المرسلین)



حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی اور حضرت مولانا خان محمد قادری کی تمام ائمہ و خطباء سے پُر زور اپیل ہے کہ اپنے خطبہ جمعہ اور دروس میں مسئلہ ختم نبوت اور رد قادیانیت کو زیادہ سے زیادہ موضوع بنائیں اور امت مسلمہ کے ایمان و ایقان کو محفوظ رکھنے کے لیے دینی، سیاسی اور سماجی محاذوں پر قادیان ختم نبوت کے شانہ بشانہ بھرپور جدوجہد فرمائیں۔

تحریک ختم نبوت 1953ء

مولانا سید ابوالحسنات قادری

سید محمد احمد قادری (سید ابوالحسنات) 1896ء کو خلیفہ علی حضرت، حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ کے ہاں محلہ نواب پور ”اور“ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت امام احمد رضا خاں بریلوی، حضرت مولانا شاہ علی حسین کچھوچھو اور حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی ایسے مجسم علم و فضل حضرات سے فیض حاصل کیا۔ اعلیٰ حضرت نے تو سلسلہ قادریہ میں آپ کو خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ ”اور“ میں انجمن خادم الاسلام کے صدر اور فتویٰ کمیٹی کے ہیڈ مفتی مقرر ہوئے۔ والد محترم حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ کی مسجد وزیر خاں اندرون لاہور سے سبکدوشی کے بعد اہل علاقہ و متولی کے پرزور اصرار پر مسجد کی امامت قبول فرمائی۔ اس کے علاوہ مسجد وزیر خاں میں بزم تنظیم کے صدر اور انجمن حزب الاحناف لاہور کے امیر مقرر ہوئے۔

قیام پاکستان کے بعد 26 تا 28 مارچ 1948ء کو انوار العلوم بلتان کے جلسے میں جب جمیعت علماء پاکستان کی تشکیل ہوئی تو آپ اس کے صدر منتخب ہوئے۔ 1948ء میں کشمیری مجاہدین کے حق خود ارادیت کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے ان کے مالی، اخلاقی، جانی اور سیاسی مدد کی اور ”غازی کشمیر“ کے لقب سے معروف ہوئے۔ 1953ء کی تحریک ختم نبوت کے امیر منتخب ہوئے۔ اس تحریک میں دیوبندی، احمدیہ اور شیعہ نے آپ کی قیادت پر بھرپور اعتماد کیا۔ اس تحریک میں آپ پس دیوار زندان رہے اور آپ کے اکلوتے بیٹے مولانا خلیل احمد قادری کو پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ جب آپ کو اس سزا کی اطلاع ملی تو بے ساختہ پکار اٹھے الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے میرا یہ معمولی ہدیہ قبول فرمایا۔

حضرت سید ابوالحسنات کو خدا داد خطیبانہ صلاحیتیں حاصل تھیں۔ آپ مایہ ناز خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ میدان تحریر میں نثر و نظم پر بھی قدرت کاملہ رکھتے تھے۔ نثر میں تفسیر الحسنات (5 جلد) ترجمہ کشف المحجوب اور اوراق نم آپ کی یادگار ہیں۔ نظم میں حافظ تجلّص کرتے تھے۔ انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں علامہ محمد اقبال ایسے قادر الکلام شاعر نے آپ کی نظم پر دسترس کی خوب داد دی۔ علامہ اقبال نے آپ کی ایک غزل کو ”جذبات حافظ“ کے عنوان سے یاد کیا۔ نظم میں دیوان حافظ، مسدس حافظ اور مخمس حافظ آپ کی یادگار ہیں۔ اہلسنت کے اس عظیم رہنما کا وصال 2 شعبان 1380ھ 20 جنوری 1961ء بروز جمعہ کو ہوا۔ مزار اقدس داتا گڑھ لاہور میں واقع ہے۔

درج ذیل تقریر میں علامہ ابوالحسنات نے تحریک ختم نبوت 1953ء کا پس منظر، مطالبات اور حکومتی اکابرین سے گفت و شنید کے متعلق گفتگو کی ہے۔ 1953ء کی تحریک کے مطالبات اور اس پر حکومتی نال منول کو سمجھنے کے لیے اس تاریخی بیان کا ایک ایک جملہ یادگار ہے۔ ملاحظہ فرمائیں

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبی بعده، اما بعد فاعوذ بالله من الشیطن الرجیم، بسم الله الرحمن الرحیم، ما كان محمد ابا احد من رجالکم ولكن رسول الله وخاتم النبیین وكان الله بكل شئ علیما صدق الله العظیم۔

حضرات! میں نے آپ کے سامنے قرآن پاک کی ایک آیت ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولكن رسول الله وخاتم النبیین تلاوت کی ہے۔ اس آیت کی تلاوت اس لیے کی ہے کیونکہ آج سے کچھ ماہ پیشتر اس خطہ ارضی میں ”ختم نبوت“ کا نام لینا جرم قرار دیا گیا تھا اور اس جرم کی پاداش میں کئی فرزندان توحید اور جاٹا ران شمع رسالت ﷺ کو جیل کی کوٹھڑیوں میں بند کیا گیا تھا۔ میں نے اس آیت کو پڑھ کر ایک جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ آپ حضرات ہمارے کراچی جانے اور واپس آنے کے حالات سننے کے لیے بے تاب ہیں۔ مسلمان فخر الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت و ناموس کی خاطر جان قربان کرنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے ہیں۔ اس معاملہ میں ”مولوی“ حضرات ہی پیش پیش نہیں بلکہ میرے نزدیک تو پنجابی اصطلاح میں جنہیں ”ساجے اور مابجے“ کہا جاتا ہے وہ شاید حضرت محمد ﷺ کی عزت و ناموس کی خاطر سب سے زیادہ قربانی کر جائیں۔ اس معاملہ میں پڑھے لکھے آدمی کی طرح اگر مگر کی پالیسی ٹھیک نہیں۔ جب تاجدار ختم نبوت پر کوئی گستاخانہ حملہ ہو تو عشق و محبت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ

۔ بے خطر کو پڑے آتش نمرود میں عشق

اگر آج یہاں انگریز کی حکمرانی ہوتی تو اس سلسلہ میں ہمارا جو قدم اٹھتا وہ اس سے بالکل مختلف ہوتا۔ چونکہ آج حکومت کے عہدیدار ہمارے اپنے ہیں، آج مسند اقتدار پر وہ لوگ براجمان ہیں جو گنبد خضرا کے کلین صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں، وہ لوگ ہیں جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کے مقابلے میں ہمیں سوچ کر قدم اٹھانا پڑتا ہے۔ ہم بے چینی، اضطراب اور بیجان پھیلا کر ان کے

راست میں رکاوٹیں پیدا کرنا نہیں چاہتے لیکن ہم یہ بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ ایک اسلامی ملک کے خارجہ معاملات ایک ایسے آدمی کے سپرد کر دیے جائیں جو محمد عربی ﷺ کا باغی اور ملک و ملت کا دشمن ہو۔ جس کی وفاداریاں پاکستان کے بجائے ہندوستان سے وابستہ ہوں اور جو قادیان کی وساطت سے ہندوستان کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کر کے مسلمانان پاکستان کا خون کر رہا ہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ارباب اقتدار حقیقت کو سمجھیں اور خطرہ کو محسوس کریں۔

یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ مرزائیت کے خلاف تحریک صرف لاہور، ملتان اور لائلپور (فیصل آباد) میں ہے۔ ارباب حکومت کان کھول کر سن لیں کہ مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے اور ظفر اللہ کی علیحدگی کا مطالبہ پورے پاکستان کا مطالبہ ہے۔ کراچی میں اول تو ہمیں وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کرنے کے لیے کئی روز تک انتظار کرنا پڑا۔ خدا خدا کر کے ”باریابی“ نصیب ہوئی۔ وزیر اعظم سے ملاقات کے دوران مرزائیت کے تمام پہلوؤں پر گفتگو کی گئی اور مرزائی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان کے ”کارناموں“ پر بھی روشنی ڈالی گئی۔ ہمارے وزیر خارجہ نے ”جونا گڑھ“ کے معاملہ میں وکالت کی تو اس میں مکمل طور پر کامیابی نصیب ہوئی اور آج جونا گڑھ ایک انچ برابر ہم سے جدا نہیں۔ حیدر آباد تو ہمارے لیے ایسا ہے جیسے لاہور سے ماڈل ٹاؤن کہ جب چاہیں آئیں اور جائیں۔ کشمیر کو تو ایسا لے کر دیا کہ آج کشمیر کی علیحدگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ تو ہمارا ہے ہی۔ (حضرت اقدس نے یہ طنزیہ جملے یوں ارشاد فرمائے کہ مجمع کشت زعفران بن گیا)

ہم نے وزیر اعظم صاحب سے کہہ دیا ہے کہ اب مسلمان زیادہ دیر تک صبر نہیں کر سکیں گے۔ پانچ سال انہی پریشانیوں میں گزر گئے اور ہمیں یونہی ”ٹرخایا“ جا رہا ہے۔ ہم جب مرزائیوں اور مرزائی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان کا ذکر کر رہے تھے تو خواجہ صاحب نہایت خاموشی کے ساتھ ہماری معروضات سنتے رہے۔ بعد میں ہمیں فرمایا کہ میں نے مفصل حالات سن لیے ہیں۔ میں بھی مسلمان ہوں اور یہ ریاست بھی اسلامی ریاست ہے میں کسی مناسب وقت میں اس کا جواب دوں گا۔

اس کے بعد ہم نے کابینہ کے دوسرے وزراء سے ملاقاتیں بھی کیں۔ ہم کراچی سے مطمئن ہو کر واپس آئے ہیں لیکن اس اطمینان کو حقیقت اسی صورت میں بنایا جاسکتا ہے جب آپ حضرات (کل جماعتی) مجلس عمل پر مکمل اعتماد رکھتے ہوئے اس کی ہدایات پر عمل کریں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ نے منظم ہو کر مجلس عمل کی ہدایات پر عمل کیا تو ہم اپنے مطالبات میں بہت جلد کامیاب ہوں گے۔

جہاں تک مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کا تعلق ہے اس کا مطالبہ جب وزیر اعظم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ آپ درست فرماتے ہیں لیکن یہ معاملہ دستور سازی سے متعلق ہے اور مجلس دستور ساز ہی اس کا فیصلہ کرے گی۔ ہم نے سوال کیا کہ اس سلسلے میں آپ کے روش کیا ہوگی؟ تو وزیر اعظم نے جواب دیا کہ میں پارٹی لیڈر کی حیثیت سے اس موقع پر کچھ نہیں کہہ سکتا جب یہ معاملہ دستور یہ میں جائے گا اس وقت ہی کچھ عرض کروں گا۔

جب ہم نے وزیر اعظم سے مطالبہ کیا کہ مرزائی پاکستان کی کلیدی آسامیوں پر قابض ہو کر ملک کو لوٹ رہے ہیں اور مسلمانان پاکستان کا حق غصب کر رہے ہیں۔ اسی طرح حکومت نے ربوہ میں مرزائیوں کا اڈہ قائم کر دیا ہے اور وہاں مرزائیوں کو کوڑیوں کے مول قیمتی زمین دے دی گئی ہے۔ خواجہ صاحب نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ معاملہ صوبائی حکومت سے متعلق ہے اور اس سلسلہ میں وہی کوئی قدم اٹھا سکتی ہے۔

ہم نے جب سوال کیا کہ مرزائی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان اپنے عہدہ سے ناجائز اٹھا کر اپنے ماتحت عملہ کو مرتد بنا رہا ہے تو خواجہ صاحب نے کہا کہ حکومت پاکستان میں کوئی سیکرٹری یا انڈر سیکرٹری مرزائی نہیں۔ ہم نے وزیر اعظم کی توجہ اس طرف مبذول کروائی کہ ایک انڈر سیکرٹری جو پہلے ایک اسلامی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا اب وہ اپنی ترقی اور وزیر خارجہ کی خوشنودی کی خاطر دائرہ اسلام کو چھوڑ کر مرزائی بن گیا ہے۔ یہ بات سن کر وزیر اعظم نے حیرت و استعجاب کا اظہار کیا۔

جہاں حکومت تک پیغام پہنچانے کا تعلق تھا وہ ہم نے پورا کر دیا۔ اب عوام کا فرض ہے کہ وہ ان مرزائیوں کی فہرستیں مرتب کرے جنہوں نے مختلف چیزیں ہڑپ کر رکھی ہیں اور مہاجرین کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔

ہم نے جب ایک وزیر سے ملاقات کی اور مرزائیت سے انہیں مطلع کرنا چاہا تو انہوں نے جواب دیا کہ ”میرے باپ نے مجھے مذہبی تعلیم سے بے بہرہ رکھا ہے اور مجھے اس مسئلہ سے کوئی واقفیت نہیں“۔ تو ہم اس کی یہ بات سن کر ہکے بکے رہ گئے۔

آپ شاید بھول گئے ہوں لیکن مجھے اپنے وہ الفاظ ابھی تک یاد ہیں جو میں نے اس باغ میں ایک چھوٹے سے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہے تھے۔ وہ میرے دل کی آواز تھی۔ جب مرزائیوں نے مسلمانوں کا ناطقہ بند کر دیا اور مرزائیوں کی چیرہ دستیوں کا شکار ہو کر مسلمانوں کا دم گھٹنے لگا مزید یہ کہ مرزائی وزیر خارجہ کفر و ارتداد پھیلانے کے لیے سرکاری لاؤ لشکر کے ساتھ کراچی کے ایک جلسہ عام میں آدھمکے۔

اس وقت شمع رسالت کے پردانوں نے صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے مطالبہ کیا تھا کہ یہ محمد عربی ﷺ اور ملک کا باغی ہے۔ اسے مسلمانوں میں تقریر کرنے اور کفر و ارتداد پھیلانے کی اجازت نہ دی جائے اسے روکیے۔ ان مطالبات کے باوجود وزیر خارجہ کو کفر و ارتداد پھیلانے کی اجازت دی گئی۔ جن مسلمانوں نے اس سلسلہ میں کوئی رکاوٹ پیدا کی تھی انہیں لاشیوں سے پینا گیا۔ ان پر اشک آور (آنسو) گیس پھینکی گئی۔ کراچی کے مسلمان بلبلا اٹھے اور ان کی مظلومیت کا حال دیکھ کر ہمارے سینوں میں ایک آگ بھڑک اٹھی۔ چنانچہ ہم نے کراچی سے واپس آ کر مجلس عمل کا اجلاس منعقد کیا اور بعد ازاں ملتان کا پروگرام مرتب کیا گیا۔

ملتان میں کچھ لوگ تو پہلے ہی جام شہادت نوش کر چکے تھے اور ان کے بعد جن لوگوں نے تحقیقاتی کمشن کے سامنے شہادتیں دی تھیں ملتان پولیس نے انہیں گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ ان کو غنڈہ ایکٹ

کے تحت گرفتار کر کے باشندگان ملتان میں خوف و ہراس پیدا کیا گیا۔ تشدد کا یہ پہلو موجودہ حالات میں ٹھیک نہیں ہے۔

آج ہم جن حالات میں گزر رہے ہیں وہ انتہائی نازک حالات اور ایسا خوفناک راستہ ہے کہ ادھر سے کبھی کسی کا گزر نہیں ہوا ہے۔ آج اگر ٹولیاں، گروہ یا جماعتیں دشمن کو کمزور تصور کر لیں تو یہ سب سے پہلی کمزوری ہے۔ دشمن انگریز کی سیاست کا پلا ہوا مرغا ہے جسے انگریز کی منافقانہ سیاسی ضرورتوں نے جنم دیا ہے۔ انگریز کی شاطرانہ چالوں پر ناپنے والے مرزا غلام احمد کی ملعون سیاست نے جہاد بالسیف کو حرام قرار دیا ہے۔ اس عیار دشمن کے مقابلہ کے لیے ہمیں جذبات سے کام لینے کی بجائے نہایت تدبیر سے کام لینا ہے۔ یہ جذبات کی جنگ نہیں بلکہ چوکھی لڑائی ہے۔

ہماری حکومت بھی آج وہاں پہنچ گئی ہے جہاں سے ہم چلے تھے۔ حکومت کا موجودہ اعلان اس امر کی دلیل ہے کہ ہمارا آغاز سفر درست تھا۔ اب حکومت اپنے وعدے کو پورا کرتی ہے یا نہیں اس کا جواب آنے والا وقت دے گا۔ حکومت کے اس اعلان کا صاف مطلب یہ ہے کہ مرزائیوں کی موجودہ صورت حال اور ظفر اللہ کے طرز عمل کو حکومت تشویش ناک نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ اب ان میں سے کسی نے وہ ظفر اللہ ہو یا کوئی اور اگر ایسے جرم کا ارتکاب کیا اور کھلے بندوں کفر و ارتداد کی تبلیغ کی تو حکومت اس کے خلاف سخت کارروائی کرے گی۔

ہمیں منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے پرامن جدوجہد جاری رکھنی چاہیے۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ آج قوم میں عجیب قسم کا اشتعال پایا جاتا ہے اور وہ حکومت کے موجودہ طرز عمل سے مطمئن نہیں ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر آپ کا کام لڑائی جھگڑے اور قربانی کے بغیر انجام پا جائے تو پھر کسی قربانی کی ضرورت کیا ہے؟ آپ نہایت صبر و تحمل کے ساتھ اپنا پرامن مطالبہ جاری رکھیں۔ ان شاء اللہ ایک وقت آئے گا کہ حکومت ہمارے تمام مطالبات کو مکمل طور پر تسلیم کر لے گی۔

﴿وَمَنْ يَدْعُ إِلَى الْفِتْنَةِ فَبِهَا يَفْتَنُ﴾ (العالم)

انٹرویو

مہمان گرامی
انٹرویو پینل
احمد علی شریف، علامہ حافظ غلام حسین رضوی
موجودہ چیئر مین، علامہ رضا احمد شاہ، علامہ محمد صالح المنجد

☆ آپ کا آبائی پس منظر کیا ہے؟

● میرا تعلق اعوان برادری سے ہے۔ ایک 'سرگودھا' تلہ گنگ، چکوال، پوٹو ہار اور میانوالی کے کچھ حصے میں اعوان برادری کی اکثریت ہے۔ اعوان قبیلے یا برادری کے متعلق کتب میں محفوظ ہے کہ حضرت سلطان محمود غزنوی کے ساتھ کچھ علوی لوگ یہاں آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ بعد میں ان کے ہاں اولادیں ہوئیں اور یوں وہ لوگ کئی شاخوں یا حصوں میں بٹ گئے۔ ان علوی لوگوں کی اولادوں یا نسلوں کو اعوان برادری کی مختلف شاخوں یا حصوں کا نام دیا گیا۔ ان میں اسرا، اشرا، اگرال، اجرا، اجرا اور نشرال وغیرہ شامل ہیں۔ میرا تعلق اعوان برادری کی شاخ "نشرال" سے ہے۔ میرے والد محترم کی پھپھو کے پاس ہماری سات پشتوں کا "شجرہ نسب" موجود تھا جو حوادث زمانہ کا شکار ہو گیا۔

میرے ددھیال کا روحانی تعلق "مہرہ شریف" اور نہیال کا تعلق "مکھڑ شریف" سے ہے۔ ہمارا آبائی پیشہ زراعت اور کھیتی باڑی ہے۔ الحمد للہ میرے والدین کا رجحان شروع ہی سے دین کی جانب تھا اور اب تک قائم ہے۔

☆ آپ کی پیدائش کب ہوئی اور آپ کل کتنے بہن بھائی ہیں؟

● میری پیدائش 3 ربیع الاول 1386ھ 22/ جون 1966ء بروز بدھ "نکھ کلاں" ایک میں ہوئی۔

میرے والد محترم کا اسم گرامی "لعل خان" ہے۔ ہم کل چھ بہن بھائی ہیں جن میں دو بھائی اور چار بہنیں ہیں۔

☆ ابتدائی تعلیم کہاں حاصل کی؟

● شروع میں تو میرے والدین نے مجھے گاؤں کے سکول میں داخل کروایا لیکن میرا ذوق قرآن کریم کو یاد کرنے یعنی حفظ کرنے کا تھا۔ خوش قسمتی سے والدین کا مزاج بھی مذہبی تھا اس لیے انہوں نے میرے ذوق و شوق کو مد نظر رکھتے ہوئے مجھے حفظ قرآن کریم کے لیے منتخب کر لیا۔ ناظرہ قرآن میں نے پہلے ہی گاؤں کی مسجد میں استاذ نیک محمد مرحوم سے شروع کر رکھا تھا۔

غالباً جون / جولائی 1974ء میں مولانا حافظ غلام محمد صاحب المعروف "استاذ جی" مجھے جہلم حفظ قرآن کریم کے لیے جامع مسجد عید گاہ لے آئے۔ استاذ محترم حافظ مولانا غلام محمد صاحب کا شمار جہلم کے شہرہ آفاق مدرسین میں ہوتا تھا۔ آپ کا تدریسی دورانیہ قیام پاکستان سے قبل کا تھا۔ درویش منش انسان تھے 20 سال تک ایک تھڑے پر بیٹھ کر بچوں کو پڑھایا اور ساری زندگی ایک کوارٹر میں بسر کردی۔ جامع مسجد عید گاہ میں حافظ غلام حسین صاحب سے میں نے 12 پارے حفظ کیے۔ بعد میں ہم تمام ساتھی ایک مدرسہ "دار العلوم" مشین محلہ نمبر 1 میں داخل ہو گئے اور میں نے اپنے بقیہ 18 پارے وہاں حفظ کیے۔ اس دارالعلوم میں کسی زمانہ میں مفتی اعجاز ولی خاں علیہ الرحمہ پڑھاتے رہے ہیں۔

یہاں میں دو دلچسپ باتوں کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں کہ جس وقت میں جہلم آیا وہ زمانہ تحریک ختم نبوت 1974ء کا تھا۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے پارلیمنٹ کے اندر اور باہر اہلسنت کے اکابر و علمائین بھرپور کردار ادا کر رہے تھے۔ میری جہلم آمد کے چند روز بعد ختم نبوت کانفرنس کا اعلان ہوا جس میں شرکت کے لیے علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی بھی آرہے تھے۔ قبلہ نورانی صاحب سے میرا یہ پہلا تعارف تھا۔ حفظ کا طالب علم ہوا سے کیا معلوم کہ نورانی صاحب کون ہیں؟ خیر کانفرنس کے دن ایک گاڑی آ کر رکی اور اس میں سے ایک وجیہ صورت ہستی دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ باہر تشریف لائی۔ اس شخصیت کی تشریف آوری کے ساتھ ہی فضاء "حق و صداقت کی نشانی... شاہ نورانی، شاہ نورانی" کے نعروں سے گونج اٹھی۔ میں فوراً جان گیا کہ "نورانی صاحب" اسی صدیقی شہزادے کا نام ہے۔ علامہ نورانی کے

سالہ تک ہمارے اور شخصیات بھی موجود تھیں۔ پوچھنے پر لوگوں نے بتایا کہ ان میں علامہ عبدالمصطفیٰ الازہریؒ مولانا غلام علی اوکاڑوی اور پروفیسر شاہ فرید الحق شامل ہیں۔

دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک دن جامع مسجد عید گاہ میں عشاء کی نماز باجماعت میں جب لوگ سجدے میں گئے تو میں بھی سجدے میں چلا گیا اور جو نعرہ دن بھر تحریک کے دوران سنا اسے سجدے کی حالت میں جا کر اونچی آواز سے کہنے لگ گیا کہ ”مرزا کا نافر ہے، مرزا کا نافر ہے۔“ بعد از نماز کئی لوگ حیرانگی و پریشانی کے عالم میں میری طرف متوجہ ہوئے تو میں پل بھر میں ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

☆ حفظ کی تکمیل کے بعد کیا مشغل اختیار کیا؟

● 1978ء میں قرآن کریم کے حفظ کے بعد استاذ محترم نے ”تجوید“ سیکھنے کے لیے دینہ بھیج دیا۔ یہاں میں نے کئی بزرگان دین کی زیارت کی۔ ان میں استاذ اکل، استاذ محترم مولانا عطاء محمد صاحب ہندیا لوی سر فہرست ہیں۔ حضرت استاذ محترم جب بھی تشریف لاتے آپ کا بستر بندھ ہمیشہ ساتھ ہوتا تھا۔ ان کے علاوہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی، قائد ملت اسلامیہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی اور مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالستار خان نیازی وغیرہ کئی مرتبہ تشریف لائے۔ حضرت شیخ الاسلام تو جب بھی اسلام آباد کا سفر اختیار فرماتے راستے میں یہاں سے گزرتے ہوئے چند لمحات ضرور عنایت فرماتے۔ ہمارے سالانہ جلسہ دستار بندی میں مولانا محمد شفیع اوکاڑوی علیہ الرحمہ تشریف لائے۔

☆ درس نظامی کی جانب توجہ کیسے ہوئی اور جامعہ نظامیہ کیسے پہنچے؟

● حفظ اور تجوید کے بعد میں نے درس نظامی کرنے کا فیصلہ کیا۔ درس نظامی کے لیے میں نے دو تین جگہوں کا سنا تھا۔ ان میں سے ایک مدرسہ داں پھر اس میانوالی کا تھا اور دوسرا جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور تھا۔ میں نے اپنا چھوٹا سا بکس اٹھایا اور بس اسٹینڈ کی طرف چل پڑا۔ بس اسٹینڈ پر میں نے رب الغلیمین سے رہنمائی کی دعا کی کہ یا اللہ جس شہر جانا میرے حق میں بہتر ہے اس کی بس آجائے یعنی میانوالی جانا بہتر ہے تو اس کی بس آجائے اور لاہور جانا بہتر ہو تو لاہور کی بس آجائے۔ اسی دوران ایک بس آگئی جس میں سے آواز لگائی گئی لاہور لاہور لاہور۔ چنانچہ میں لاہور کی بس پر سوار ہو گیا۔

اب لاہور تو میں پہنچ گیا لیکن یہاں میرا کوئی جاننے والا نہ تھا۔ مجھے صرف اتنا معلوم تھا کہ ہمارے علاقے کے قاری منظور حسین کے جاننے والے قاری علاؤ الدین مسجد وزیر خاں میں پڑھاتے ہیں۔ مغرب کی اذان کے قریب میں لاہور پہنچ گیا اور پوچھتا پوچھتا مسجد وزیر خان پہنچ گیا۔ وہاں میں قاری علاؤ الدین کو ملا اور وہ مجھے قاری منظور حسین کے پاس لے گئے۔ قاری صاحب کے پاس پہنچ کر میں نے تمام ماجرا بیان کر دیا۔ اگلے دن وہ مجھے جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لے گئے۔

جامعہ نظامیہ کے ناظم تعلیمات، استاذ محترم جامع المعقول والمعقول مولانا حافظ عبدالستار سعیدی نے داخلے کی بابت دو چار باتیں پوچھیں جن کا میں نے جواب دیا۔ جامعہ میں مجھے پہلے سال میں داخلہ تو لیا گیا لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ جامعہ میں رہائش نہیں ملی۔ خیر نصف برس تک تو میں اپنا بسترہ کمرہ نمبر 21 میں رکھتا اور سوتے وقت ہال میں جس جگہ موقع ملتا بستر لگا کر لیٹ جاتا۔ جب سردیاں آئیں تو میں نے مؤذن قاری عبدالرحمن صاحب عرف لالہ سے مسجد میں صرف رات گزارنے کی درخواست کی۔ میں ان کا احسان آج تک نہیں بھول سکتا کہ انہوں نے مسجد میں رات گزارنے کی اجازت دے دی۔ آخر کار مجھے سال کے آخر میں جامعہ کے کمرہ نمبر 20 میں رہائش کی جگہ دے دی گئی۔

☆ جامعہ میں کن اساتذہ سے کسب فیض کیا؟

● استاذ محترم مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، حضرت مولانا مفتی عبداللطیف نقشبندی، حضرت علامہ مولانا محمد رشید نقشبندی، حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری، حضرت علامہ مولانا حافظ عبدالستار سعیدی، حضرت علامہ مولانا محمد صدیق ہزاروی وغیرہ۔

☆ دورہ حدیث شریف اور دستار بندی کب ہوئی؟

● 1988ء میں دورہ حدیث شریف کیا۔ مفتی صاحب سے ترمذی شریف، علامہ شرف صاحب سے بخاری شریف اور مفتی عبداللطیف نقشبندی مجددی سے مسلم شریف اور ابوداؤد شریف وغیرہ پڑھی۔ اسی سال دستار فضیلت ہوئی اور سالانہ جلسے میں شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا غلام رسول رضوی اور مفتی محمد حسین نعیمی تشریف لائے۔

☆ کس استاذ کے اندازِ تدریس سے متاثر ہوئے؟

● میرے تمام اساتذہ نوز علی نور تھے اور ہیں۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ تو استاذ الاساتذہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا تدریسی ملکہ عنایت فرمایا کہ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد چشتی اور مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات کے بعد تقریباً سب سے زیادہ مدرسین تیار کیے۔ آپ دورانِ تدریس کسی بھی طالب علم میں چاہے وہ کتنا ہی غبی کیوں نہ ہو احساسِ کمتری پیدا نہیں ہونے دیتے تھے اور طلباء کو ہمیشہ اپنا مورال بلند رکھنے کی تلقین فرماتے اور ایسی حکیمانہ گفتگو فرماتے تھے کہ طالب علم اتنا اعتماد ہو جاتا کہ وہ ہر میدان میں کام کرنے کے صلاحیت رکھتا ہے۔ استاذ محترم مولانا محمد رشید نقشبندی علیہ الرحمہ کا اندازِ تدریس سب سے جدا اور نرالا تھا۔ استاذ گرامی علامہ محمد عبدالکیم شرف قادری علیہ الرحمہ دورانِ تدریس احساسِ زیاں کا جو درس دیتے وہ آپ ہی کا خاصہ تھا۔ استاذ مکرم قبلہ حافظ صاحب کا اندازِ تدریس نہایت عام فہم ہے۔ مشکل سے مشکل بات آسان الفاظ میں بیان کرنا آپ کا خاصہ ہے۔ استاذ محترم مولانا محمد صدیق ہزاروی کا اندازِ تدریس انتہائی سہل ہے۔ مشکل سے مشکل اصطلاح کو آسان الفاظ میں بیان کرنے کا خاص فن رکھتے ہیں۔

مجاہد اسلام استاذ محترم مولانا محمد رشید صاحب مجھ پر خاص شفقت و مہربانی فرماتے تھے۔ 2 سال میں نے استاذ محترم کی خدمت کی۔ استاذ محترم مجھے عشاء کی نماز کے بعد کنز الدقائق خصوصی طور پر پڑھاتے تھے۔

یادگار اسلاف علامہ محمد عبدالکیم شرف قادری، ہمیں روزانہ ایک شعر قصیدہ بردہ شریف پڑھاتے تھے۔ میں نے اسی برکت سے پورا قصیدہ شریف زبانی یاد کر لیا۔ استاذ محترم کو جب علم ہوا تو انہوں نے مجھے ”قصیدہ بردہ شریف“ بطور انعام دیا۔

☆ دورہ حدیث شریف کے ساتھی؟

● مولانا ڈاکٹر فضل حنان سعیدی، مولانا بشیر احمد سعیدی، مولانا رفیع اللہ، مولانا بشیر احمد قادری وغیرہ۔

☆ نماز تراویح میں قرآن حکیم کب سے سنا رہے ہیں؟

● الحمد للہ 1978ء سے اس وقت تک ہر سال نماز تراویح میں قرآن کریم سنانے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بوسیلہ نبی کریم ﷺ دعا ہے کہ تادم واپسی یہ سعادت ملتی رہے۔

☆ کتنی تصنیفات مطبوعہ و غیر مطبوعہ ہیں؟

● ”علم صرف“ میں تین کتابیں تیسیر ابواب الصرف (512 صفحات)، تعلیلات خادمیہ مفصل (680 صفحات) اور تعلیلات خادمیہ مختصر (408 صفحات) مطبوعہ ہیں۔ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی ترغیب پر میں نے فتاویٰ رضویہ پر کچھ کام کیا جسے مفتی صاحب نے پسند فرماتے ہوئے فتاویٰ رضویہ کی جدید اشاعت کی پہلی جلد کے شروع میں لگا دیا۔ اس مقالے کا عنوان ”علیٰ حضرت بحیثیت مرجع العلماء“ ہے۔ مفتی صاحب نے مجھے حکم دیا کہ اس مقالے میں مزید تفصیلات جمع کرو۔ میں نے مفتی صاحب کے حکم پر کام کرتے ہوئے اس مختصر مقالے کو جامع کرتے ہوئے تقریباً 700 صفحات تیار کیے۔ اس مقالے میں علیٰ حضرت عظیم البرکت سے فتویٰ پوچھنے والے شخص کا نام پڑا اور جواب کی نوعیت مختصر الفاظ میں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ وہ فتویٰ کس زبان میں ہے اور اس کی کیا نوعیت ہے۔ اگر اللہ رب العزت کو منظور ہوا تو یہ مقالہ جلد منظر عام پر آئے گا۔ اس کے علاوہ دیگر چھوٹے موٹے لکھے گئے مقالہ جات، مضامین بھی ہیں۔

☆ فراغت کے بعد مصروفیات کیا تھیں؟

● فراغت کے بعد میں نے ایک سال چھپ کر گزارا۔ میں نے کہا مجھے پڑھانا نہیں ہے اس پر مفتی صاحب علیہ الرحمہ فرماتے تھے نہیں پڑھانا تو تمہیں پڑے گا۔ میں نے اصرار کیا کہ میں نہیں پڑھا سکتا تو مفتی صاحب زور دے کر فرماتے ہم نے بھی تو تمہیں پڑھایا ہے لہذا تمہیں بھی پڑھانا پڑے گا..... آخر کار قبلہ مفتی صاحب کی ترغیب پر میں تدریس کے لیے بیٹھ گیا۔

☆ محکمہ اوقاف سے تعلق کب ہوا؟

● میرا اوقاف سے تعلق 1993ء سے ہے۔ 14 اکتوبر 1993ء بروز پیر میری تقرری بطور امام و خطیب سائنس کانواں والے دربار گجرات میں ہوئی۔ تقرری کی مختصر روداد یہ ہے کہ ایک دن حضرت مولانا فضل

حنان اور میں پڑھا کر جامعہ کے گیٹ سے باہر نکلے تو مولانا مجھے فرمانے لگے کہ آپ نے اوقاف میں تقرری کی درخواست دے رکھی ہے تو چلو بادشاہی مسجد میں انٹرویو ہو رہے ہیں وہاں چلتے ہیں۔ جب ہم وہاں پہنچے تو میرا نام گزر چکا تھا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس وقت میرے پاس تعلیمی اسناد بھی نہیں تھیں۔ بعد میں ایک طالب علم کو میں نے اسناد لینے کے لیے بھیجا تو وہ مغرب کے قریب واپس آیا۔ اس وقت انٹرویو کا بالکل آخری وقت تھا اور ایک دو امیدوار رہ گئے تھے۔

انٹرویو لینے والوں میں قاضی اسرار الحق راولپنڈی والے اور مولانا مقصود احمد قادری سابق خطیب دربار حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ لاہور شامل تھے۔ جب میری باری آئی تو انہوں نے چلتے چلتے مجھ سے پوچھا ”روٹی“ کون سا صیغہ ہے؟ اس کے بعد انہوں نے نحو کے متعلق ایک سوال کیا جس کا میں نے جواب دے دیا۔ اس انٹرویو سے میں مکمل طور پر کامیابی کے لیے پُر امید تھا لیکن جب تقرریاں کی گئیں تو وہ انتہائی افسوس ناک تھیں۔ جولہ کے مجھ سے صرف پڑھتے ہوئے بھاگے تھے انٹرویو میں ان کے نمبر مجھ سے زیادہ تھے اور میرے کم اسی بناء پر میری تقرری لاہور سے باہر کر دی گئی۔

اس ساری صورتحال کو جب میں نے قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے فرمایا نوکری کر کے کیا کرو گے؟ میں نے عرض کی کہ آپ کی تربیت کے تصدیق سے کسی کے نوکری نہیں بنیں گے۔ جب میں نے استاذ محترم مولانا محمد رشید صاحب سے مشورہ لیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس تقرری کو ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ اوقاف کسی کے باپ کی جاگیر نہیں۔ میں مفتی صاحب کے پاس حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ آپ کم از کم اوقاف کے ذمہ داروں سے اتنا تو پوچھیں کہ استاذ کے نمبر کم ہیں اور جولہ کے اس سے پڑھتے ہوئے بھاگے ہیں ان کے نمبر زیادہ کیسے ہیں اور ان کی تقرری لاہور میں کیسے ہوئی ہے؟ مفتی صاحب نے جب یہ بات اوقاف کے ذمہ داران سے کی تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ انہوں نے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے میرا تبادلہ لاہور کر دیا۔ لاہور میں میری تقرری حضرت شاہ ابوالمعالی علیہ الرحمہ کے دربار سے ملحق مسجد میں ہوئی اور 7 نومبر کو میں نے یہاں باقاعدہ امامت کی اور پہلی نماز جمعہ 12 نومبر کو پڑھائی۔ یہاں رہائش کے لیے مستقل جگہ نہیں تھی۔ ایک ہی کمرہ تھا وہ بھی انتہائی ناگفتہ بہ حالت کا۔ مسجد میں ہی

ٹھہرتا اور وہیں تمام وقت گزارتا۔ یہاں نہ تو کوئی پانی پوچھتا اور نہ ہی روٹی۔ آمدورفت کا یہ عالم تھا کہ گرمی ہو یا سردی روزانہ جامعہ نظامیہ سے پیدل مسجد آتا تھا۔ 8 سال تک یہی معمول رہا تاوقتیکہ دربار حضرت پیر کی علیہ الرحمہ سے ملحق مسجد میں میری تقرری کر دی گئی۔

گجرات تقرری کے وقت اہلسنت میں ایک بہت بڑا المیہ مشاہدے میں آیا کہ دربار سے ملحق مسجد میں پانچوں وقت نماز میں شمولیت کے لیے کوئی نہیں آیا۔ یہ صرف یہیں پر خاص نہیں بلکہ آج بھی کئی جگہوں پر ایسی ہی صورتحال ہے جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

☆ اوقاف کی ملازمت کے دوران کبھی حکومت کی جانب سے دباؤ کا سامنا ہوا؟

● دباؤ تو آتا رہتا ہے لیکن الحمد للہ میں نے کبھی حکومتی دباؤ کو خاطر میں نہیں لایا۔ مسجد دربار شاہ ابوالمعالی علیہ الرحمہ میں حکومت نے حکم دیا کہ آپ نے افغانستان پر امریکی حملے کے خلاف یا جہاد کے متعلق تقریریں کرنی البتہ حج کے موضوع پر تقریر کی اجازت ہے۔ میں نے اس حکم نامے کو رد کر دیا جس کی پاداش میں مجھے 4 ماہ کی چھٹی پڑھنی دیا گیا۔ بعد میں قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی کوششوں سے مسجد دربار پیر کی علیہ الرحمہ بحالی ہوئی۔

☆ جہاد کے موضوع پر ہی آپ نے اصرار کیوں کیا؟

● اس لیے کہ خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حالات کے مطابق ہی فیصلے فرمائے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی کہ آپ لشکر اسامہ مت بھیجیں مگر آپ نے فرمایا کہ لشکر اسامہ ضرور بھیجنا ہے اور اسی انداز میں بھیجنا ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ترتیب دیا تھا۔ اب حالات کا تقاضا تھا کہ لشکر اسامہ نہ بھیجا جاتا یا قیادت تبدیل کر دی جاتی لیکن مسلمانوں کے امیر المومنین نے مسلمانوں کو سبق دیا کہ اگرچہ حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں ہمیشہ حق کا ساتھ دینا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث شریف میں کلمہ حق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب کلمہ حق کیا بند کمرے میں کہنا ہے؟ نہیں بالکل نہیں بلکہ ہر شخص جس عہدے و مقام پر فائز ہے اس پر رہ کر کلمہ حق کہے۔ اب اُس وقت حالات کے مطابق میں منبر رسول ﷺ پر فائز ہو کر کلمہ حق نہ کہتا تو کیا کہتا؟ اُس وقت حالات کا تقاضا ہی امت مسلمہ میں روح جہاد کو بیدار کرنے اور کفر اور

اہل کفر کی مسلمانوں کے خلاف سازشوں کو طشت از بام کرنا تھا۔

☆ اسلامی جہاد کیا ہے؟

● ﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ اسلامی جہاد کی رسول اللہ ﷺ نے خود وضاحت فرمائی ہے کہ یہ ایسا جہاد ہے جو صرف اس لیے کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا نام بلند ہو۔ جو لڑائی ذاتی منصب، عہدے، پیسے، قوم، زمین یا علاقے کے لیے لڑی جائے وہ اسلامی جہاد کے منافی ہے۔

☆ آپ کی نظر میں اس وقت امت مسلمہ کے جہاد سے دُوری کے کیا اسباب ہیں؟

● جہاد سے دُوری کے اسباب تو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمادیے ہیں۔ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بعض لوگ بعض لوگوں کو تمہیں ہلاک کرنے کے لیے اس طرح بلانیں گے جس طرح بھوکے آدمیوں کو کھانے کے لیے بلایا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کی کیا وجہ ہوگی؟ کیا اس وقت ہم قلیل ہوں گے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں بلکہ اس وقت تمہاری تعداد بہت زیادہ ہوگی لیکن تمہاری حیثیت اس جھاگ کی مانند ہوگی جو پانی کے اوپر ہوتی ہے۔ صحابہ نے عرض کی کہ یا نبی اللہ اس کی کیا وجہ ہوگی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے اندر ”وہن“ پیدا ہو جائے گا اور وہن سے مراد ﴿حُب الدنیا و کراہیۃ الموت﴾ ہے یعنی دنیا سے پیار ہوگا اور موت سے نفرت۔ آج بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہی دو وجہیں ہیں جن کی وجہ سے امت مسلمہ پستی کی طرف جاتی دکھائی دے رہی ہے۔ بقول اقبال

کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اسے کہ مسلمان کی موت مر
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
سکھاتی نہیں مسلمان کو غلامی کے آداب

پوچھتا ہوں میں شیخ کلیسا نواز سے
مغرب میں جنگ شر ہے تو مشرق میں بھی ہے شر
حق سے اگر غرض ہے تو کیا زیبا ہے یہ بات
اسلام کا محاسبہ یورپ سے درگزر

گھر بیٹھے بیٹھے جس کی ٹانگیں کانپ رہی ہوں اس نے کیا جہاد کرنا ہے؟ جہاد تو ایک مقدس فریضہ ہے جسے قیامت تک جاری رہنا ہے۔ ابو داؤد شریف کی حدیث ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تین چیزیں اصل ایمان ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب سے اللہ رب العالمین نے مجھے مبعوث فرمایا (یعنی جب سے حکم جہاد نازل ہوا) اس وقت سے قیامت کی صبح تک جہاد جاری رہے گا حتیٰ کہ کسی عادل کا عدل اور ظالم کا ظلم بھی اسے ختم نہیں کر سکے گا نیز میرا آخری امتی دجال سے جہاد کرے گا۔ مرزا قادیانی کو بھی انگریزوں نے اسی لیے پالا تھا کہ وہ جہاد کا حکم منسوخ کرے اور ہم ساری زندگی برصغیر پر حکومت کر سکیں۔ انگریز حاکم ہوا اور مسلمان محکوم۔

☆ روحانی تعلق کب اور کس سے قائم کیا؟

● یوں تو میرا روحانی تعلق 1974ء سے دربار عالیہ ”کالا دیو شریف“ جہلم سے ہے لیکن باقاعدہ بیعت پیر طریقت حضرت قبلہ خواجہ محمد عبدالواحد صاحب المعروف حضرت حاجی پیر صاحب سے 1988ء میں ہوا۔

☆ کالا دیو شریف، جہلم میں بیعت کی کوئی خاص وجہ؟

● جہلم میں زمانہ طالب علمی کے دوران ہم کرائے پر سائیکل لے کر بڑے حضرت صاحب کی مجلس مبارکہ میں حاضری دیتے تھے۔ جب لاہور آگیا تو رمضان المبارک میں اپنے حفظ کے دوست مولانا مختار احمد صدیقی علیہ الرحمہ کے پاس جہلم آکر قرآن کریم تراویح میں سناتا۔ بعد از تراویح مولانا مختار احمد اور میں حضرت خواجہ سلمان پارسا علیہ الرحمہ کے دربار پر حاضری دیتے اور یہاں میں روزانہ قصیدہ بردہ شریف زبانی پڑھتا تھا۔ اس مزار شریف پر میں نے اپنی بیعت کے سلسلہ میں اپنی رہنمائی کی دعا لگی تھی جس کے نتیجے میں کالا دیو شریف بیعت ہوا۔

☆ مذہبی و سیاسی میدان میں کس سے زیادہ متاثر ہیں؟

● مذہبی میدان میں استاذ مکرم حضرت قبلہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ اور سیاسی میدان میں قائد اہلسنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی علیہ الرحمہ سے۔

☆ حرمین شریفین میں حاضری کب ہوئی؟

● 1988ء میں حج کے لیے اور 2001ء میں عمرہ کے لیے حاضری نصیب ہوئی۔

☆ شادی کب ہوئی؟

● شادی 1992ء میں اپنے ہی خاندان میں ہوئی۔

☆ شادی کا انداز کیا تھا؟

● شادی سادگی سے ہوئی لیکن سادگی کا یہ معنی نہیں کہ کسی کو بلایا ہی نہیں بلکہ ہمارے ہاں کھانے پینے کا جو رواج ہے اسے ملحوظ خاطر رکھا۔ ولیمہ کے دن میرے حضرت قبلہ پیر صاحب دامت برکاتہم العالیہ بھی بنفس نفیس تشریف لائے تھے۔

☆ بچے کتنے ہیں؟

● چھ۔ دو بیٹے اور چار بیٹیاں۔ بڑے بیٹے کا نام محمد سعد اور چھوٹے بیٹے کا نام محمد انس ہے۔

☆ حالیہ سفر شام میں شامی لوگوں کو کیا پایا؟

● سفر شام کا بنیادی مقصد اکابر امت کے مزارات پر حاضری تھی۔ سرزمین شام میں ان گنت ہستیاں آرام پذیر ہیں۔ یہاں کے لوگ نہایت ہی محبت کرنے والے، خلیق اور ملنسار ہیں۔ سفر شام میں وہاں کے علماء و مشائخ کی اس پالیسی سے میں بہت متاثر ہوا ہوں کہ وہ لوگ خوشی و غمی کی تقاریب میں اپنی عوام کے ساتھ ان میں موجود ہوتے ہیں۔ ان علماء و مشائخ کا کہنا ہے کہ یہاں پر یورپ کی یلغار ہے اور اگر ہم نے اس موقع پر بھی ان لوگوں کو تنہا چھوڑ دیا تو اہل شام کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔

☆ کون سا ترجمہ قرآن اسلامی روح کے عین مطابق ہے؟

● اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سے بڑھ کر کس کا ترجمہ ہوگا؟؟؟

یہی کہتی ہے بلبل باغ جتناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہ ہدی مجھے شوخی طبع رضا کی قسم
اس اول بھی یہی ہے اور آخر بھی یہی ہے۔

☆ قرآن فنی کے لیے کون سی عربی وار و تقاسیر معاون ہیں؟

● تفسیر مظہری، تفسیر روح البیان اور تفسیر روح المعانی میں عشق و محبت کا بیان ہے اس کے علاوہ تفسیر قرطبی اور تفسیر خازن معاون ہے۔

☆ علم حدیث میں کس شرح نے زیادہ متاثر کیا ہے؟

● مجھے علم حدیث میں علامہ ملا علی قاری کی لکھی ہوئی مشکوٰۃ شریف کی شرح مرقاۃ نے بہت متاثر کیا ہے۔

☆ پسندیدہ موضوع کونسا ہے؟

● نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ، فقہ اور تصوف۔ سیرت مبارکہ میں امام محمد بن یوسف شامی کی تصنیف کردہ سبیل الہدیٰ والرشاد بہت جامع کتاب ہے۔ فقہ میں امام احمد رضا خاں بریلوی کا فتاویٰ رضویہ شریف لا جواب ہے۔ فتاویٰ رضویہ شریف آپ کے اس شعر کا مظہر ہے۔

نحلم در نوش و نیش جامع مسلم

نے کافر زبور کہ نیش بے نوش

اعلیٰ حضرت اس شعر میں فرماتے ہیں کہ میں شہد کی وہ کبھی ہوں جس کے ڈنگ اور شہد دونوں کا جواب نہیں۔ تصوف میں کشف المحجوب، رسالہ قشیریہ، مکتوبات امام ربانی، کتاب اللمع اور سائیں توکل شاہ انبالوی کی زندگی پر لکھی گئی کتاب ”صحیفہ محبوب“ لا جواب تصانیف ہیں۔ صحیفہ محبوب میں اس قدر ہاذ بیت ہے کہ اس کتاب کو پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ صاحب کتاب حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی بنفس نفیس تشریف فرما ہیں اور کتاب کے مضامین خود بیان فرما رہے ہیں۔ آج بھی سائیں صاحب کا اسم گرامی جنات اور بلاؤں کے لیے اکسیر کی حیثیت رکھتا ہے اور میں جب بھی پریشان ہوتا ہوں اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرتا ہوں۔

☆ مسجد رحمۃ للعالمین ﷺ میں آپ کی آمد سے قبل انتظامات کیسے تھے؟

● میری آمد سے قبل یہاں دیوبندی تبلیغیوں اور جماعت اسلامی والوں کا اثر و رسوخ تھا۔ مذہبی طور پر اس مسجد کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ نماز کی امامت دیوبندی کروائے یا وہابی اہل محلہ بولتے تک نہیں تھے۔ بہر حال طویل جدوجہد کے بعد یہ مسجد دیوبندیوں و مودودیوں کے قبضے سے آزاد کروائی۔

مسجد میں دیوبندی تسلط ختم کروانے کی روداد طویل ہے جس کا یہ انٹرویو متحمل نہیں ہو سکتا لیکن ایک دلچسپ بات یہاں ضرور بیان کرنا چاہتا ہوں کہ جب مسجد سے تبلیغیوں کو پاک کیا جا رہا تھا تو وہ ہمارے سامنے تسلسل سے ایک بات دہرا رہے تھے کہ آپ کے بڑے نورانی میاں صاحب تو ہمارے بڑوں سے اتحاد کر رہے ہیں، ایک ہو رہے ہیں تو پھر آپ ایسا کیوں نہیں کرتے؟ میں یہ کہہ کر ان کے منہ تو بند کر دیتا کہ نورانی صاحب کا اتحاد سیاسی نوعیت کا ہے لیکن قائدین و عمائدین اہلسنت کو یہ بات ضرور مد نظر رکھنی چاہیے کہ ان کے سیاسی اتحادوں کی آڑ میں ”بھیڑ نما بھیڑیے“ ایمان کے ڈاکو کس طرح فائدہ اٹھاتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ اہلسنت و جماعت کو مستقبل میں اغیار کے ساتھ اتحاد کرنے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔

اہلسنت و جماعت کو یہاں یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ بظاہر سیدھے سادھے نظر آنے والے تبلیغ کی آر میں مساجد کو اپنا مسکن بنانے والوں سے اپنی مساجد کو محفوظ رکھیں۔ انہیں کبھی بھی اور کسی بھی روپ میں اپنی مساجد میں ہرگز جگہ نہ دیں۔

☆ مسجد سے ملحق مدرسہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ للبنات کا افتتاح کب ہوا؟

● اس مدرسہ کا افتتاح 14 مئی 2000ء میں مفتی اعظم پاکستان حضرت قبلہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی کے دست مبارک سے ہوا۔ افتتاحی تقریب میں محسن اہلسنت، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالکیم شرف قادری جامع المعقول و المنقول، شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ عبدالستار سعیدی اور دیگر اکابر تشریف لائے۔

☆ کتنی طالبات اس وقت تک فارغ التحصیل ہو چکی ہیں اور کتنی زیر تعلیم ہیں؟

● تقریباً سو سو کے قریب طالبات اپنی تعلیم مکمل کر چکی ہیں اور ایک سو کے قریب اس وقت ناظرہ، حفظ، تجوید اور درس نظامی میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔

☆ شاعری میں کس سے متاثر ہیں؟

● اعلیٰ حضرت کی شاعری سے میں بہت متاثر ہوں۔ ان کے علاوہ حضرت مولانا روم، حضرت شیخ سعدی، حضرت حافظ شیرازی اور علامہ اقبال کے اشعار پسند ہیں۔

☆ علامہ اقبال کے نظریات کے متعلق کچھ بتائیں؟

● اقبال کو لوگوں نے صحیح طور پر پڑھا ہی نہیں ہے۔ اقبال نبی کریم ﷺ کی امت کے محسن، مصلح اور مفکر ہیں۔ میرے نزدیک اقبال میں سب سے اہم خوبی محبت رسول ﷺ ہے اور محبت بھی اس درجے کی جسے ہم فانی الرسول کہتے ہیں۔ لوگ اس کی ظاہری شکل و صورت کو تو دیکھتے ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں کہ وہ کس درجہ کا آدمی ہے۔

☆ بعض لوگ آپ کے متعلق کہتے ہیں کہ آپ اقبال کو اعلیٰ حضرت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں؟

● قطعاً ایسی کوئی بات نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد دین و ملت جس مقام پر فائز ہیں علامہ اقبال اس گلی کے کنارے پر ابھی کھڑے ہیں۔ میں اس تقابل کا ہرگز قائل نہیں کہ بزرگوں کے درمیان کشمکش کروائی جائیں اور ہم فیصلہ کریں کہ کون طاقت ور ہے اور کون کمزور۔ ہم میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اپنی دانست میں جج و منصف کی کرسی پر بیٹھ کر فیصلے کرتا پھرے۔ ہر بزرگ کا اپنا اپنا مقام ہے اور ہم ہر بزرگ کو اسی کے مقام پر مانتے ہیں، ہر ایک اپنے اپنے مقام پر باکمال و بے مثال ہے۔ ویسے بھی ہمارے بزرگان دین و اسلاف کا کون مقابلہ کر سکتا ہے؟؟؟

میں تو برسر عام کہتا ہوں کہ علامہ نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی

۔ زبحر خود بجوے من گہرہ

متاع من بکوہ و دشت و درہ

یعنی یا رسول اللہ ﷺ اپنے محبت و رحمت کے سمندر سے میری ندی میں موتی ڈال دیجیے پھر میری اس

متاع کو پہاڑوں، صحراؤں اور آبادیوں میں پھیلا دیجیے۔ پھر آگے مزید عرض گزار ہیں

دلم نکلشود از اس طوفان کہ داری

مرا شورے ز طوفانی دگر ده!

یعنی آپ ﷺ سے مجھے جو عشق و محبت پہلے ملا ہے اس سے میرا دل نہیں کھلا لہذا مجھے اور جام چاہیے۔ عوام کو سمجھانے کے لیے عرض ہے کہ اقبال کا تو رسول اللہ ﷺ سے عشق و محبت سے ابھی دل نہیں کھلا اس لیے اور جام طلب کر رہے ہیں لیکن اعلیٰ حضرت سر ہو کر اور طلب کر رہے ہیں کہ

رضائے مست جام عشق ساغر بازمی خواہد

یعنی یا رسول اللہ ﷺ آپ کے عشق و محبت میں احمد رضا مست ہے لیکن اس کے باوجود ایک اور جام کا متمنی ہے۔ یہ فرق ہے امام احمد رضا اور علامہ اقبال میں کہ علامہ کا دل نہیں کھلا اس لیے مزید مانگ رہے ہیں جبکہ اعلیٰ حضرت عشق و محبت میں مست ہیں اور مزید مانگ رہے ہیں۔

علامہ اقبال سے ہماری محبت کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے باوقار غلام ہیں۔ انہوں نے اس طبقے میں اسلام اور عشق و محبت کی بات کی ہے جس طبقے کے لوگ ان چیزوں کو ضعیف الاعتقادی، جنون، پاگل پن اور انتہا پسندی کہہ کر مسترد کر دیتے ہیں۔ علامہ اقبال نے مسٹر طبقے کی آنکھوں سے یورپ کی عینک اتار کر انہیں عشق و محبت کی عینک پہنا دی۔

زانکہ ملت راحیات از عشق اوست

برگ و ساز کائنات از عشق اوست

روح را جز عشق او آرام نیست

عشق او روزیست کورا شام نیست

اگر اعلیٰ حضرت فرمائیں کہ

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو

کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

تو لوگ کہتے ہیں جی کیا کعبے کا کعبہ بھی ہوتا ہے؟ یہی بات جب اقبال کہتا ہے تو مغرب سے مرعوب

افراد کو کہنا پڑتا ہے کہ جی اقبال نے کہا ہے تو اب ضرور سوچنا پڑے گا۔ علامہ فرماتے ہیں کہ

طور موبے از غبارخانہ اش

کعبہ را بیت الحرم کاشانہ اش

یعنی کعبے کا کعبہ حضور ﷺ کا گھر ہے۔ یہ بات امام احمد رضا کہے تو غلو ہے بدعت ہے اور دین میں رخنہ ڈالنے والا ہے اور جب اقبال کہے تو ٹھیک ہے۔ اسی طرح اعلیٰ حضرت نے ایک اور جگہ فرمایا

ان کے طفیل حج بھی خدا نے کروا دیا

ورنہ اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے

یہی بات اقبال کہتا ہے کہ

تو فرمودی رہ بطحا گر قہیم

دگر نہ جز تو مارا منزلی نیست

یعنی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے فرمایا تو ہم کعبۃ اللہ چلے گئے ورنہ ہم نے آپ کے در اقدس کے علاوہ کہاں جانا تھا؟

میں عام لوگوں کے سامنے علامہ اقبال کی بات اس لیے کرتا ہوں کہ عوام خصوصاً مسٹر طبقے میں وہ حجت مانے جاتے ہیں۔ لیکن علامہ اقبال تو قیامت کے دن بھی رسول اللہ ﷺ کے سامنے جانے سے گریزاں ہیں۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر

روز محشر عذر ہائے من پذیر

در حسابم را تو بنی ناگزیر

از نگاہ مصطفیٰ ﷺ پناہ بگیر

لیکن امام احمد رضا اس دن بھی رسول اللہ ﷺ کے حضور حاضر ہو کر عشق و محبت کے نغمے لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔

کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور
بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا
مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

علامہ اقبالؒ تو رسول اللہ ﷺ سے چھپ رہے ہیں لیکن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا درود و سلام پڑھنا

چاہتے ہیں۔

☆ خطابت کب اور کیسے شروع کی؟

● 2000ء میں میرے حضرت قبلہ پیر صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے حکم فرمایا کہ بھائی تقریر کیا کرو چنانچہ حضرت کے حکم کی تعمیل میں اس وقت سے اب تک اپنا درود دل لوگوں کے سامنے بیان کیے جا رہا ہوں۔

☆ آپ کی تقاریر میں نبی کریم ﷺ سے عشق و محبت کا جو درس ملتا ہے یہ ہو آپ کو کہاں سے میسر آئی؟

● یہ ہو مجھے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے فتاویٰ رضویہ سے ملی ہے۔ جو صاحب بصیرت فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کرے اور عشق و محبت کی دولت سے محروم رہے یہ ناممکن ہے۔

ذکر ان کا چھیڑے ہر بات میں

چھیڑنا شیطان کا عادت کیجیے

اعلیٰ حضرت نے یہ شعر صرف شاعرانہ تعلق میں نہیں کہی بلکہ خود اس پر عمل کر کے بھی دکھایا۔

☆ گستاخانہ خاکوں کی اشاعت کے خلاف 14 فروری کے تاریخ ساز جلوس کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

● 14 فروری کا جلوس اہلسنت کا بہت بڑا کارنامہ تھا لیکن اسے ہماری قیادت سنبھال نہیں سکی۔ جن لوگوں کے ہاتھوں میں قیادت تھی وہ حالات کا مقابلہ نہ کر سکے وہ دباک گئے ڈر گئے اور حکومتی دھمکیوں میں آ گئے۔ اگر اس وقت وہ سینہ پر رہتے اور 14 فروری کے بعد تین چار سو علماء و مشائخ قربانی دے دیتے اور جیلوں میں چلے جاتے تو آج حالات مختلف ہوتے۔

☆ اس تحریک میں کن حضرات کی خدمات نمایاں ہیں؟

● بہت سے علماء، طلباء اور عوام جیل میں گئے اور حکومتی جبر و استبداد کو برداشت کیا جن میں سر فہرست حضرت قبلہ علامہ سید محمد عرفان شاہ مشہدی، محترم ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی، صاحبزادہ پیر محمد محفوظ مشہدی، مولانا رضائے مصطفیٰ نقشبندی اور صاحبزادہ مختار احمد رضوی وغیرہ ہیں۔ جس شخصیت نے مجھے متاثر کیا وہ علامہ سید محمد عرفان شاہ مشہدی ہے۔ اس لیے کہ بیماری و علالت اور انگلینڈ کی ٹھنڈی ہوا اور پاؤنڈوں میں رہنے کے باوجود انہوں نے تھانے اور جیل میں ایسی کوئی بات نہیں کی جس سے بڑا آتی ہو کہ شاہ صاحب اپنے کیے پر پچھتا رہے ہیں بلکہ انہوں نے تھانے میں ایسی تقریر کی چند وہ حضرات جو نو خیز تھے اور پچھتا رہے تھے ان کے حوصلے بھی بلند ہو گئے۔

☆ کو تو اہل تھانے میں دن کیسے گزرے؟

● بہت اچھے۔ ایک پولیس والے نے اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کریم ﷺ کی محبت میں میرے ساتھ وہ حسن سلوک کیا کہ وہ محبت اور عقیدت ہمیشہ کے لیے تعلقات کا باعث بن گئی۔

یہاں میں ایک اور بات بھی کہنا چاہتا ہوں کہ میری پہلی اور دوسری گرفتاری کے دوران اہلسنت کا نوجوان مجاہد حافظ ممتاز احمد سندھی میرے ساتھ تھا۔ اس نے دونوں بار میرے ساتھ مار کھائی۔ میرے گھر والے کہتے ہیں کہ آپ اسے جتنا مرضی بڑا بھلا کہیں لیکن مار تو آپ کے ساتھ اسی نے کھائی ہے۔ ہمارے گھر میں اسے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

☆ جیل کے معمولات کے متعلق کچھ بتائیں گے؟

● تھانہ اور جیل میں مولانا صاحبزادہ رضائے مصطفیٰ نعت پڑھتے، میں نماز پڑھاتا اور علامہ سید محمد عرفان شاہ مشہدی درس دیتے تھے۔ دوران قید شاہ صاحب مجھے ”امام الحسن“ یعنی قید کا امام کہتے تھے۔ شاہ صاحب اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے بڑے گرویدہ ہیں جب صاحبزادہ صاحب نعت پڑھتے تھے تو آپ کی جیب میں جتنے پیسے ہوتے وہ سب صاحبزادہ صاحب کو پیش کر دیتے تھے۔

☆ فدا یان ختم نبوت کی بنیاد کب رکھی گئی اور اس کے کیا محرکات تھے؟

● قیام پاکستان کے چند سال بعد 1953ء اور 1974ء میں جب قادیانی مخالف تحریکیں چلیں تو اس وقت پلیٹ فارم کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا استعمال ہوا۔ یہ پلیٹ فارم بظاہر تو تمام مسالک کی نمائندگی کرتا تھا لیکن درحقیقت دیوبندی جماعت مجلس تحفظ ختم نبوت اس کی پشت پناہ تھی۔ اس پلیٹ فارم کی آڑ میں دیوبندیوں نے مسئلہ ختم نبوت کے تحفظ پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کی ٹھان لی تھی۔

اکابرین اہلسنت خصوصاً علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی علیہ الرحمہ کی باریک بین اور دور رس نگاہوں نے جب اس تمام معاملے کو جانچا تو شدت سے اس ضرورت کا احساس محسوس ہونے لگا کہ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے سنیوں کا ایک ایسا پلیٹ فارم تشکیل دیا جائے جس کے تحفظ ختم نبوت کے کوئی پس پردہ عزائم نہ ہوں۔ قائد اہلسنت نے اس پلیٹ فارم یا تنظیم کی تشکیل کی ذمہ داری اپنے معتمد و دیرینہ رفیق صوفی ایاز خاں نیازی کے سپرد کی جنہوں نے 1973ء میں انتہائی جانفشانی سے مجاہدین ختم نبوت کو اکٹھا کر کے ”تنظیم فدا یان ختم نبوت“ کی بنیاد رکھی۔ 1995ء میں اس میں نئی روح ڈالنے کے لیے ”تحریک فدا یان ختم نبوت“ کے نام سے تشکیل نو کی گئی۔ 2000ء میں تنظیم فدا یان ختم نبوت کو ختم کر کے ”فدا یان ختم نبوت“ کے نام سے ایک بار پھر سنیوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے مخلصانہ کوشش کی گئی۔

☆ تنظیمی معاملات میں سستی کی کیا وجوہات ہیں؟

● میرے نزدیک اس کی بنیادی وجہ احساس ذمہ داری کا نہ ہونا اور اپنے فرائض سے غفلت یا اعلیٰ درجے کی روگردانی و لاپرواہی ہے۔ وہ شخص جو کام کرنے کے لیے ہم سے اصرار کرتا ہے جب اس سے تنظیمی معاملات پر گفتگو یا قوی، فعلی، بدنی اور مالی معاونت کا کہا جائے تو وہ فوراً شرمخ بن جاتا ہے یعنی جب اسے اڑنے کا کہو تو کہتا ہے کہ میں پرندہ نہیں اونٹ ہوں اور جب بوجھ اٹھانے کا کہا جائے تو کہتا ہے کہ میں اونٹ نہیں پرندہ ہوں میں تو بوجھ اٹھائی نہیں سکتا۔

اس کے علاوہ کام کے متعلق میرا موقف یہ ہے کہ کام بھوم نہیں بلکہ چند افراد کرتے ہیں۔ اگر وہ افراد مخلص ہو کر اپنے فرائض کو مکمل ذمہ داری سے انجام دیں تو کام ہو جاتا ہے۔ فقط شرائط اخلاص، احساس

ذمہ داری، محنت اور وفاداری ہیں۔

☆ مستقبل قریب میں کیا منصوبے زیر تکمیل ہیں؟

● ان شاء اللہ العزیز عنقریب فدا یان ختم نبوت کا گرانقدر اور وافر لٹریچر میدان میں آئے گا۔ اس کے علاوہ ایک دفتر کے قیام کا منصوبہ بھی ہے جو شخصیات سے گرد نہ گھومے بلکہ تنظیم کا ہو۔ میری تمام عاشقان مصطفیٰ ﷺ سے اپیل ہے کہ عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کر کے محافظین ختم نبوت اور مجاہدین ختم نبوت کی عظیم صف میں ضرور شامل ہوں۔

☆ کیا 7 ستمبر 1974ء کے تاریخ ساز فیصلے کے بعد ہماری ذمہ داریاں ختم ہو گئی ہیں؟

● بالکل نہیں۔ اس فیصلے کے بعد ہم پر بہت زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جنہیں اب تک ہم ادا نہیں کر سکے۔ 7 ستمبر کا فیصلہ عمارت کی تعمیر میں پہلی اینٹ کی مانند تھا اور ابھی اس پر باقی عمارت تعمیر ہونا تھی لیکن ہم ابتدائی اینٹ رکھ کر ہی بھول گئے۔ 7 ستمبر کے فیصلے کے بعد اب تک قادیانی اتنے چوکنا ہو گئے ہیں کہ انہوں نے پچھلی ساری کسریں نکال دی ہیں۔ مجھے ملک عزیز کے کلیدی عہدوں پر فائز کئی افسران نے خود بتایا ہے کہ قادیانیوں نے ہمیں دعوت دی ہے کہ تم مرزائی بن جاؤ۔ آج بھی قادیانی اہل ایمان کو لوٹنے کے لیے بڑے پیمانے پر منصوبہ بندی کر رہے ہیں جبکہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فزدا ہیں۔

آج بھی اس معاشرے میں کئی ناسمجھ مسلمان ایسے ہیں جنہوں نے قادیانیوں میں شادیاں کی ہیں، ان سے کاروباری شراکت کی ہے، ان کے حمایتی ہیں اور وہ لوگ ان تمام امور کو برائی بھی تصور نہیں کرتے۔ مسلم معاشرے میں قادیانیوں کی اثر پذیری کا بنیادی سبب یہ ہے کہ مرزائیت کے خلاف جو نفرت ہونی چاہیے تھی وہ علماء کرام میں نہیں رہی۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ خطباء حضرات مسئلہ ختم نبوت پر تقریر ہی نہیں کرتے بلکہ ختم نبوت کے موضوع پر انہیں تقریر کا کہا جائے تو وہ کوئی اور عنوان بیان کرنے لگتے ہیں۔

☆ کشمیر میں قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

● یہ ملک و ملت کے خلاف بین الاقوامی سازش ہے۔ مرزائیت، یہودیت اور نصرانیت کا پاکستان کے خلاف اتحاد ہے اور اس اتحاد کو اسرائیل اور ہندوؤں کے ذریعے بروئے کار لایا جا رہا ہے۔ اس کی تازہ ترین مثال

اسرائیل کی فوج میں بھرتی ہونے والے 600 قادیانیوں کی ہے۔ ہمارے عسکری وحساس اداروں کو اس جانب ضرور غور کرنا چاہیے کہ اسرائیلی فوج میں قادیانیوں کی بھرتی کس نظریے اور سازش کے تحت ہوئی ہے؟ ان کی بھرتی کے پیچھے کون سی قوتیں کارفرما ہیں اور ان کے مقاصد کیا ہیں؟

عقیدہ ختم نبوت دین کی بنیاد ہے۔ جس طرح عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کرنا ایک عام آدمی کی ذمہ داری ہے اسی طرح ایک فوجی جرنیل کی بھی ذمہ داری ہے۔ افواج پاکستان کے ذمہ داران کو سوچنا چاہیے کہ ان کے تمام عہدے اس ملک کی وجہ سے ہیں اور ملک کی بنیاد ﴿لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ﴾ پر رکھی گئی ہے۔ اگر اس بنیاد کو کھوکھلا کر دیا گیا تو اس ملک کا کیا بنے گا اور تمہارا کیا بنے گا؟ مرزائی، قادیانی رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کے غدار اور باغی ہیں جو اسلام کی بنیاد ڈھانے کی ناپاک سعی کر رہے ہیں۔ افواج پاکستان کے غیور مجاہدین سے میرا سوال ہے کہ کیا اسلام اور پاکستان کی بنیاد کو کمزور کرنے اور ڈھانے والا شخص کسی رعایت کا مستحق ہے؟

میں میجر (ر) امیر افضل کی اس رائے سے بالکل متفق ہوں کہ جس طرح 10 نمبری بد معاش کے دروازے پر لکھا ہوتا ہے کہ یہ 10 نمبری بد معاش ہے اسی طرح ہر قادیانی / مرزائی کے دروازے پر لکھا ہونا چاہیے کہ یہ قادیانی / مرزائی ہے۔ جس طرح 10 نمبری بد معاش کے دروازے سے لوگ ہٹ کر گزرتے ہیں کہ یہ بد معاش ہے اسی طرح گستاخ رسول مرزائی / قادیانی کے دروازے سے بھی لوگ ہٹ کر گزریں کہ یہ دین اسلام اور ہمارے آقا و مولانا ﷺ کا باغی و غدار ہے۔

☆ شیخوپورہ میں محمد مالک کی مظلومانہ و المناک شہادت پر دینی جماعتیں خاموش کیوں ہیں؟

● یہ بڑی بے جیتی کی بات ہے بلکہ آپ اسے بے جیتی کہیں، بے ضمیری کہیں یا مردہ دلی کہیں کم ہے۔

صد مرض پیدا شد از بے ہمتی

کوہ دیتی، بے دلی، دُوں فطرتی

یعنی جس وقت قومیں بے ہمت ہو جائیں اور ان میں دم ختم نہ رہے تو ان میں سو مرض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس وقت وہ کہتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ بے دلی، بے ضمیری اور گندی عادتیں ان میں پیدا ہو جاتی

ہیں۔ افسوس! آج ہماری پوزیشن علامہ کے اس شعر کے عین مطابق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم محمد مالک کی شہادت پر صحیح معنوں میں اسے خراج تحسین پیش کر سکے نہ ہی قادیانیوں کی غنڈہ گردی پر موثر اور بھرپور احتجاج کر سکے۔

☆ الطاف حسین کے قادیانی نواز حالیہ بیانات کو کس تناظر میں دیکھتے ہیں؟

● حکومت کو بحیثیت ”اسٹیٹ“ ان بیانات کا سخت نوٹس لینا چاہیے۔ اس کے علاوہ ان جماعتوں کو جو قومی اور مذہبی کہلاتی ہیں۔ اگر یہ جماعتیں سیاسی میدان میں الطاف حسین کے خلاف دنیاوی و عارضی سیٹوں کے لیے لڑ سکتی ہیں تو ملک و ملت کے مسئلے پر احتجاج کیوں نہیں کر سکتیں۔ قادیانی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنی چاہیے۔ قادیانیوں کے حمایتیوں کو سر عام ننگا کرنا چاہیے کیونکہ یہ اغیار کے بے دام غلام اور ملک و ملت کے غدار ہیں۔

☆ قادیانیوں کو دعوت اسلام کے لیے کیا کوششیں کی جا رہی ہیں؟

● عالمی سطح پر ورلڈ اسلامک مشن کے زیر اہتمام کئی ادارے اس نیک کام میں مصروف عمل ہیں جبکہ اندرون ملک ایسا کوئی موثر نظام وضع کرنے کے لیے علماء کو مل بیٹھ کر غور و فکر کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ہمیں ان اسباب کو تلاش کرنا ہوگا جن سے ایسے لوگوں کو قادیانیت سے اسلام میں واپس لایا جاسکے جو ابھی کچے ہوں۔ ہمیں ان اسباب کو بھی تلاش کرنا ہوگا کہ آخر لوگ مرزائی کیوں ہوتے ہیں؟ مسلمانوں میں خود داری اور غیرت دینی پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

☆ قادیانیت کے منہ زور گھوڑے کو لگام دینے کے لیے دیگر مسالک سے اتحاد کیا جاسکتا ہے؟

● ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کی فکر سے ہماری فکر بڑی نہیں ہے۔ اگر ہمارے بڑوں کی فکری ایسی تھی کہ اس سے کوئی فائدہ ہے تو پھر ٹھیک ہے یا آپ خود دیکھ لیں کہ تاریخ میں ایسے اتحادوں سے کوئی فائدہ ہوا ہے تو پھر کرنے میں کیا حرج ہے؟

☆ مملکت اسلامیہ میں اقلیتوں کو کیا حقوق حاصل ہیں؟

● اسلام کے اندر اقلیتوں کو پورے پورے حقوق حاصل ہیں خود سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فتح بیت

المقدس کے موقع پر یہودیوں کے معبد میں نماز اس لیے نہیں پڑھی کہ بعد میں مسلمان اسے اپنی ملکیت تصور نہ کرنے لگیں۔ اسی طرح جو لوگ جزیہ بآسانی نہیں دے سکتے تھے آپ نے انہیں جزیہ معاف کر دیا اور اس کی ادائیگی بیت المال سے کر دی۔

☆ فتنہ عامی کیا ہے؟

● یہ فتنہ پرویز کی جدید شکل ہے یا یوں کہہ لیں کہ منکرین حدیث کا نیا روپ ہے۔

☆ مسائل دینیہ میں تحقیق کے لیے بنیادی شرائط کیا ہیں؟

● بنیادی شرائط یہ ہیں کہ اپنے اسلاف کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ کر ان کی متعین کردہ راہوں پر چل کر تحقیق کی جائے۔ نئے نئے قواعد و ضوابط وضع نہ کیے جائیں۔ بقول اقبال

ہنگ برما رہگذار دیں شد است

ہر لئیے رازدار دیں شد است

اس کے ساتھ ہی فرماتے ہیں

زاجتہاد عالمان کم نظر

اقتدار رفتگاں محفوظ تر

☆ اس دور میں اجتہاد کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

● ہمارے اسلاف نے جو کچھ ہمیں عطا کیا ہم اسے پڑھ بھی نہیں سکتے اور باتیں اجتہاد کی کرتے ہیں ایسے ہی اجتہاد کے متعلق علامہ نے کہا تھا

اجتہاد اندر زمان انحطاط

قوم را برہم ہی پیچد بساط

یعنی جس وقت قومیں زوال کا شکار ہوں اس وقت اجتہاد کی باتیں کرنا ان کی بچی ہوئی ساکھ کو خاک میں ملانے کے برابر ہے۔ جس قوم کے اندر نام نہاد مجتہدین کو عربی عبارت صحیح نہ پڑھنی آئے، عربی بولنی نہ آئے، اپنے اسلاف کی کتابیں نہ سمجھ آئیں اور اپنے ذخیرے کا کچھ پتہ نہ ہو تو ایسا شخص کیا اجتہاد کرے گا؟ جس

شخص کو 'اجتہاد' صیغہ بھی نہ آتا ہو کیا ایسا شخص اجتہاد کے متعلق گفتگو کرنے کا اہل بھی ہے؟

☆ نام نہاد روشن خیال اسلام اور روشن خیالی کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

● یہ کوئی نئی بات نہیں

موسیٰ و فرعون و شیر و یزید

ایں دو قوت از حیات آید پدید

کے خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفوی

آگ لگائے پھرے گی جہاں میں بولہبی

حق اور باطل کی ٹکڑ تو صد رہی ہے اور رہے گی۔ اب اہل حق نے حق کا دفاع اور باطل کا ابطال کرنا ہے۔ اس میں ہم سے انفرادی و اجتماعی سستی ہو رہی ہے خصوصاً مذہبی قائدین اپنی ذمہ داریاں کما حقہ ادا نہیں کر رہے۔

اگر اہل حق، باطل کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو انہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں انہیں چاہیے کہ وہ مرجائیں۔ ہمارے بزرگوں کی تعلیمات کا یہی نچوڑ ہے۔ ہمارے اسلاف نے کبھی اپنے سروں کو بچانے کے لیے باطل کے سامنے سر جھکا ئے نہیں بلکہ اپنے سروں کو اور اونچا کر کے راہ حق میں کٹوا دی۔

سر جھکا کے جیے نہ منہ چھپا کے جیے

ستم گروں کی نظروں سے نظریں ملا کے جیے

اگر ہم ایک دن کم جیے تو اس میں حیرت کیا

ہم ان کے ساتھ تھے جو شمع جلا کے جیے

☆ خود کش حملوں کے متعلق آپ کا کیا موقف ہے؟

● پہلی بات تو یہ ہے کہ خود کش حملے کس کے خلاف ہو رہے ہیں؟ ہر طرف مسلمانوں کو ہی خود کش حملوں کی بھیئت چڑھایا جا رہا ہے۔ اسلام میں تو جہاد ہے وہ بھی کفر کے خلاف۔ اسی کو دنیا میں عام کیا جائے اور اسی کے ذریعے کفر کا مقابلہ کیا جائے۔ اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ مسلمان ممالک پر ایسی قیادتوں کو لایا جائے جو

اسلام کو حقیقی معنوں میں سمجھتی ہوں۔ اب صورتحال یہ ہے کہ بش تو عیسائیت کی طرف سے صلیبی جنگ لڑ رہا ہے اور مسلمان ملکوں کے حکمران اس کی حمایت کر رہے ہیں۔ مسلمان حکمرانوں کو تو اسلام کی حمایت کرنی چاہیے تھی لیکن وہ عیسائیت اور بش کی حمایت پر تلے ہوئے ہیں۔

علا جرم از قوت دیں بد ظن است

کاروان خویش را خود راهن است

آج کے حکمران دین کی قوت سے بے بہرہ ہیں۔ ستم بالاستم یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے ہی کارواں کو ڈاکو بن کر لوٹ رہے ہیں۔ جو بچانے والے تھے وہی لوٹنے میں مصروف ہیں، جو محافظ تھے وہی رھزن بن گئے ہیں۔ آج ہمارے حکمران اپنی ہی عوام کو مرد و عورت کی تمیز کیے بغیر ڈالروں کے عوض غیر ملکی آقاؤں کو فروخت کر رہے ہیں۔

☆ رویت ہلال کے مسئلے پر اختلاف پر کیا نکتہ نظر ہے؟

● اس کو دو جہتوں سے دیکھیں کہ اختلاف کرنے والے اہل علم ہیں یا عامی۔ اگر اہل علم ہیں تو ان کے منصب کا تقاضا ہے کہ اس اختلاف کو میڈیا میں یا ادھر ادھر اچھالنے کی بجائے افہام و تفہیم سے حل کریں۔ اگر آپ نے ایک شخص کو ذمہ داری سونپی ہے تو اس پر اعتماد کریں یا اس پر عدم اعتماد کرتے ہوئے ذمہ داری واپس لے لیں۔

عوامی اختلاف کی حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ہاں یہ رواج بن گیا ہے کہ ہر شخص کسی بھی دینی مسئلے پر اپنی رائے دینا ضروری اور اپنا پوری حق سمجھتا ہے۔ یہ بہت غلط بات ہے کہ مسائل دیدیہ کو لوگوں نے بچوں کا کھیل بنا رکھا ہے۔ ہر کس و نا کس کا یہ منصب ہی نہیں کہ وہ رویت ہلال پر رائے زنی کریں کہ یہ درست ہے یا نہیں

ہے کس کی یہ جرات کہ مسلمان کو ٹوکے

حریت افکار کی نعمت ہے خداداد

چاہے تو کرے کعبے کو آتش کدہ پارس

چاہے تو کرے اس میں فرنگی صنم آباد

قرآن کو بازیچہٴ تاویل بنا کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد
ہے مملکت ہند (پاکستان) میں اک طرفہ تماشا
اسلام ہے محبوس ، مسلمان ہے آزاد

☆ مخلوط تعلیمی نظام کیسا ہے؟

● بالکل غلط ہے۔ اس میں تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ بقول اقبال

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے ناژن

کہتے ہیں اس علم کو اربابِ نظر موت

اقبال کا کہنا ہے کہ جس علم کو پڑھ کر عورت، عورت نہ رہے اور بابِ نظر اسے موت کہتے ہیں۔

☆ کیا اسلام میں تعلیم نسواں کی گنجائش ہے؟

● اسلام کی حدود میں رہ کر خواتین کی تعلیم کی گنجائش موجود ہے۔

اگر پندے ز درویشے پذیری

ہزار امت بمیرد تو نہ میری

بتولے باش و پنہاں شوازیں عصر

کہ در آغوش شبیرے بگیری

اقبال خواتین کو نصیحت کرتا ہے کہ زمانے سے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی طرح چھپ کر رہو یعنی اگر خواتین کی نظر حضرت سیدہ کے کردار پر لگی ہو تو ٹھیک ہے اور اگر ایسا نہیں تو تباہی و بربادی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

ۛ مراداد ایں خرد پرور جنونے

نگاہ مادرِ پاک اندرونے

یعنی میرے اندر تو دین کا جو جذبہ اور درد دیکھ رہا ہے یہ مجھے میری ماں کی گود سے ملا ہے۔

مکتب چشم و دل نتواں گرفتن

کہ مکتب نیست جز سحر و فسونے!

یعنی سکولوں میں لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں۔ سکول نہ تو دل کھولتے ہیں اور نہ ہی آنکھیں۔
ادھر صرف جادوئی جادو اور ظاہری ٹیپ ٹاپ (نمود و نمائش) ہے۔

☆ دینی و دنیاوی تعلیم کے امتزاج کا تجزیہ کیسا ہے؟

● یہ امتزاج درس نظامی کو ختم کرنے کی بین الاقوامی سازش ہے۔ درس نظامی کو اردن، مصر، عراق، شام، سوڈان، افغانستان اور بھارت میں کہیں جزوی اور کہیں مکمل طور پر ختم کر دیا گیا ہے۔ اب آخری معرکہ سر زمین پاکستان میں سر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جدید و قدیم علوم کا امتزاج اسی کا شاخسانہ ہے۔

جدید و قدیم علوم کا حامل شخص جب سامنے آتا ہے تو اسے جدید کا پتہ ہوتا ہے نہ قدیم کا۔ پاکستان میں جو لوگ اس امتزاج کی کامیابی کے دعویدار ہیں ان کے اپنے مدارس کے اعلیٰ درجات میں وہ لوگ پڑھا رہے ہیں جو صرف قدیم نصاب پڑھے ہوئے ہیں۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان اداروں نے اپنے دعووں کے برعکس کیسے افراد تیار کیے ہیں؟ ایک آدمی بھی ان اداروں کا ایسا تیار شدہ نہیں جو عربی نصاب تعلیم پڑھائے۔ جی ہاں! اردو نصاب تو پڑھائے گا لیکن عربی نہیں۔

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو

ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر

یہ بین الاقوامی سازش ہے کہ مسلمانوں کے مستقبل کے معماروں کو تعلیم ہی ایسی پڑھاؤ کہ وہ ربڑ کی طرح بن جائیں۔ پھر جس طرح کا اسلام حکمران، عوام، عیاش، بد معاش اور دین بیزار طبقہ چاہے ایسی ہی صورت کا دین ان کے حضور پیش کر دیا جائے۔

تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب

سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

ایسی معجون مرکب تعلیم پڑھنے کے بعد مسلمان سونے کا بھی ہو تو مٹی کا ڈھیر بن جاتا ہے۔ سوچنے کی

بات ہے کہ آج حکومت اور قوم علماء کو چھوڑ کر پروفیسر سکالر حضرات کو بطور خطیب کیوں مانگتی ہے؟ صرف اس لیے کہ پروفیسر خطیب ایسی ربر ہے جس کو انتظامیہ، کمیٹی اور اہل محلہ جس طرح موڑنا چاہتے ہیں وہ ان کے مطابق مڑتا چلا جاتا ہے۔ اسی لیے حکمران بھی چاہتے ہیں کہ ایسا ”چوں چوں“ کا مرہ تیار ہو جسے اپنی مرضی کے مطابق استعمال میں لایا جاسکے اور حکمرانوں کی یہ ضرورت غیور اساتذہ سے درس نظامی پڑھے یا ان کے پاس بیٹھے ہوئے افراد سے قطعاً پوری نہیں ہو سکتی۔

☆ درس نظامی پڑھ کر سکول، کالج اور یونیورسٹی میں پڑھنا، پڑھانا کیسا ہے؟

● اگر پڑھنے، پڑھانے والا صبغة اللہ یعنی اللہ کا رنگ اپنے اوپر چڑھائے ہوئے ہے تو اس میں حرج نہیں اور اگر ایسا نہیں یعنی وہاں جا کر اپنی داڑھی منڈوا دے، دین اور علماء پر طعن و تشنیع شروع کر دے تو

مباش ائمن ازاں علمے کہ خوانی

کہ از دے روح قوے متواں کشت

یعنی ایسے علم سے تو پوری ملت کو مر داکیا جاسکتا ہے۔

☆ ملک میں امن و سلامتی اور ترقی کس نظام حکومت میں پنہاں ہے؟

● نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ سے ہی اس ملک میں امن و سلامتی اور ترقی کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ اس نظام کے علاوہ قیامت تک معاشرے میں برکات کا نزول نہیں ہو سکتا۔ جمہوریت تو ایک طرفہ تماشہ ہے جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تو لائیں کرتے۔ اس نظام میں مسلمانوں کے لیے کوئی خیر کا پہلو نہیں ہے۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ سوگدھل کر بھی انسان کی سوچ و فکر کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ لیکن جمہوری نظام میں اگر ایک طرف 100 گدھے ہوں اور دوسری طرف 99 انسان ہوں تو جمہوری نظام کی رُو سے انسان ہار جائیں گے اور گدھے جیت جائیں گے۔

اسلام میں گنتی نہیں کی جاتی بلکہ اس میں دیکھا جاتا ہے کہ جو شخص بات کر رہا ہے اس کا اپنا مرتبہ و مقام کیا ہے؟ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو فیصلے کیے کیا وہ جمہوریت کی بناء پر کیے تھے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اکثریت تو لشکر اسامہ کو بھیجنے کے حق میں نہیں تھی لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بے مثال فہم

وفاست سے اس لشکر کو بھیجنے کا فیصلہ قائم رکھا۔ بعد میں حالات و واقعات نے بتایا کہ تائید الہی اسی فیصلے کے ساتھ تھی اور وہ بڑا بابرکت فیصلہ تھا۔

☆ پاکِ نان میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ میں کیا رکاوٹیں ہیں؟

● اس کو اقبال کے الفاظ میں سمجھیں کہ

جاننا ہوں میں یہ امت حاملِ قرآن نہیں
ہے وہی سرمایہ دارِ بندہ مومن کا دیں
جاننا ہوں میں مشرق کی اندھیری رات میں
بے یو بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستینیں
عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں
چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئین تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محروم یقین

☆ مذہبی و سیاسی جماعتوں کا مجلسِ عمل کے کردار سے مطمئن ہیں؟

● حضرت قبلہ نورانی صاحب علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد مجلسِ عمل نے بہت گھناؤنا کردار ادا کیا ہے۔ ان کی اسمبلی میں موجودگی کے باوجود جرح و تارہا سے تاریخ میں سیاہ ترین کردار کے طور پر لکھا جائے گا۔

☆ اہلسنت و جماعت کی سیاسی تنظیموں کو سیاسی میدان میں کہاں کھڑا دیکھتے ہیں؟

● اس وقت اہلسنت و جماعت کی سیاسی تنظیمیں اس میدان میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس وقت یہ طفیلی بنی کھڑی ہیں اور سہارا تلاش کر رہی ہیں۔ کوئی دائیں، کوئی بائیں، کوئی چھوٹی بُرائی کے ساتھ ہے تو کوئی بڑی بُرائی کے ساتھ ہے، ان کا اپنا کوئی وجود نہیں۔

﴿باقی صفحہ 135﴾

بیوہ عورت

عشق و اخلاص کا ایک درد انگیز واقعہ علامہ ارشد القادری

حضرت علامہ ارشد القادری کی تمام عمر اہلسنت و جماعت کے دفاع و خدمت میں بسر ہوئی۔ آپ جامعہ نظام الدین، دہلی کے بانی اور ان گنت مدارس کے سرپرست و مربی تھے۔ تحریر و تقریر میں یکتائے زمانہ تھے خصوصاً تحریر میں آپ کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ آپ کی لا جواب تصانیف میں مسئلہ ختم نبوت ﷺ کا جسم بے سایہ، علم غیب، لالہ زار، زلف و زنجیر، تبلیغی جماعت اور زلزلہ وغیرہ شامل ہیں۔ آخر الذکر کتاب نے تو حقیقی معنوں میں نجد و دیوبند کے مکرو فریب کے محلات میں زلزلہ برپا کر دیا تھا جس کے اثرات آج بھی محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ بہر کیف آپ بہترین محقق و مصنف اور ادیب و شاعر تھے۔ ماہنامہ جام نور اور جامعہ نظام الدین دہلی آپ کی خاص یادگار ہیں۔

چاندنی رات کا پچھلا پہر تھا، مدینے کی گلیوں میں ہر طرف نور برس رہا تھا اور پوری آبادی رحمتوں کی گود میں محو خواب تھی۔ آسمانوں کے در پہ کھل گئے تھے۔ فضائے بسیط میں فرشتوں کے پروں کی آواز دم بدم تیز ہوتی جا رہی تھی، عالم بالا کا یہ کارواں شاید مدینے کی زمین کا تقدس چومنے آرہا تھا۔ اچانک اس خاموش سنائے میں بہت دور ایک آواز گونجی، فضاؤں کا سکوت ٹوٹ گیا، شبستان وجود کے سارے تاریک کمرے اور ایمان کی تپش چنگاریوں کی طرح بال بال سے پھوٹنے لگی۔ میخانہ عشق کا دروازہ کھلا، کوثر کی شراب چھلکی اور جذبہ اخلاص کی والہانہ سرمستیوں میں سارا ماحول ڈوب گیا۔ یہ غلامانِ اسلام کے آقا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز تھی جس نے ہر گھر میں ایک ہنگامہ شوق برپا کر دیا تھا۔

اب مدینہ کی ساری آبادی جاگ اٹھی تھی۔ سرور کونین کا منادی ایک شکستہ گھر کے سامنے آواز دے رہا تھا کہ ”گلشنِ اسلام کی شادابی کے لیے خون کی ضرورت ہے۔ آج نماز فجر کے بعد مجاہدین کا

لشکر ایک عظیم مہم پر روانہ ہو رہا ہے۔ مدینہ کی ارجمند مائیں اپنے نوجوان شہزادوں کا نذرانہ لے کر فوراً بارگاہ رسالت میں حاضر ہو جائیں۔ کلمہ حق کی برتری کے لیے تڑپتی ہوئی لاشوں کو خوشنودی کی بشارت مبارک ہو۔ مبارک ہو خون کا وہ آخری قطرہ جو چپکتے ہی اسلام کی بنیاد میں جذب ہو جائے۔

ایک ٹوٹے ہوئے دل کی طرح یہ ٹوٹا ہوا گھر ایک بیوہ عورت کا تھا۔ چھ سال کے یتیم بچے کو گود میں لیے ہوئے وہ سو رہی تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ کی آوازن کر چونک پڑی، دروازے پر کھڑی ہو کر غور سے سنا۔ سنتے ہی دل کی چوٹ ابھر آئی اور آنکھیں آنسوؤں سے جل تھل ہو گئیں۔ چھ سال کا یتیم بچہ سویا ہوا تھا اور ماں رو رہی تھی۔ فرط محبت میں بچے کو سینے سے چٹالیا۔ سسکیوں کی آوازن کر بچے نے آنکھیں کھول دیں اور ماں کو روتا ہوا دیکھ کر بیتاب ہو گیا۔

گلے میں بائیں ڈال کر معصوم اداؤں کے ساتھ دریافت کیا ماں! کیوں رو رہی ہو؟ کہاں تکلیف ہے تمہیں؟ آہ! ایک نا سمجھ بچے کو کیا معلوم کہ حسرتوں کی چوٹ کتنی دردناک ہوتی ہے؟ کہاں چوٹ ہے یہ نہیں بتایا جاسکتا لیکن اس کی کسک سے سارا جسم ٹوٹنے لگتا ہے۔ پھر ایک بیوہ عورت کا دل تو اتنا نازک ہوتا ہے کہ ذرا سی ٹھیس سے پورے پھوڑ ہو جاتا ہے۔

بچے کے اس سوال پر ماں کا دل اور بھرا آیا۔ غم کی چوٹ سے یک بیک جذبات کا دھارا پھوٹ پڑا۔ گرم گرم آنسوؤں سے آنکھ کا کونہ بھیگ گیا اور بچہ بھی ماں کی حالت دیکھ کر رونے لگا۔ ماں نے بچے کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا میرے لال مت رو۔ یتیموں کا رونا عرش ہلا دیتا ہے۔ تمہارے گریہ درد سے غم کی چوٹ اور تازہ ہو جائے گی۔ بدر کی وادی میں ابدی نیند سونے والے اپنے شہید باپ کی روح کو مت تڑپاؤ۔ دنیا چھوڑنے کے بعد بھی شہیدوں کے دل کا رابطہ اپنے خون کے رشتوں سے باقی رہتا ہے۔ چپ ہو جاؤ! مت رو میرے لال!

مگر بچہ روتا رہا وہ بضد تھا کہ ماں کیوں رو رہی ہے بالآخر اپنے بچے کے لیے ماں کی آنکھ کا اہلتا ہوا چشمہ سوکھ گیا۔ ماں نے بچے کو تسلی دیتے ہوئے کہا بیٹا! ابھی ابھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ (وہی بلال

جنہیں ہم دہکتی ہوئی آگ کا ٹکڑا ہوا سونا کہتے ہیں) یہ اعلان کرتے ہوئے گزرے ہیں کہ اسلام کا پرچم دشمنوں کی زد پر ہے۔ آج نماز فجر کے بعد مجاہدین کا ایک لشکر میدان جنگ کی طرف روانہ ہو رہا ہے۔ آقائے کونین ﷺ نے اپنے جانباز وفاداروں کو آواز دی ہے۔ آج غیرت حق کا سمندر ہلکورے لے رہا ہے۔

رحمتوں کے تاجدار ﷺ آج ایک ایک قطرہ خون پر جنتوں کی بہار لٹا دیں گے۔ ایک لمحے میں آج قسمت کی ساری شکن مٹ جائے گی۔ کتنی خوش نصیب ہوں گی وہ مادران ملت جو سپیدہ سحر کی روشنی میں اپنے نوجوان شہزادوں کا نذرانہ لیے ہوئے بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوں گی؟

آہ! کتنی قابل رشک ہوگی ان کی یہ التجا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم اپنے جگر کے ٹکڑے آپ کے قدموں پر نثار کرنے لائی ہیں۔ اسی آرزو میں انہیں دودھ پلا پلا کر جوان کیا تھا کہ ایک دن ان کے لبو سے دین کا چمن سیراب ہوگا۔ یا رسول اللہ! ہمارے ارمانوں کی یہ حقیر سی قربانی قبول فرمائیں تاکہ عمر بھر کی محنت وصول ہو جائے۔

بچہ ماں کو روتا دیکھ کر پھر مچل گیا۔ ماں نے کہا بیٹا! ضد نہ کرو۔ دل کی چوٹ تم ابھی نہیں سمجھ سکتے ہو۔ میں اپنے نصیب کو رو رہی ہوں۔ کاش! آج میری گود میں بھی کوئی جوان بیٹا ہوتا تو میں بھی اپنا نذرانہ شوق لیے رحمت عالم کی بارگاہ میں حاضر ہوتی۔ افسوس! کہ آج آخرت کے سب سے بڑے اعزاز سے محروم ہو گئی۔ یہ کہتے کہتے پھر دل کا درد جاگ اٹھا، پھر غم کی تپش بڑھ گئی اور پھر آنکھوں کے چشمے سے آنسو ابلنے لگے۔

بچے نے ماں کو چپ کراتے ہوئے کہا اس میں رونے کی کیا بات ہے ماں! تمہاری گود تو خالی نہیں ہے۔ رحمت عالم ﷺ کے حضور میں مائیں اپنے جوان بیٹوں کو لے کر جائیں گی، تم مجھے ہی لے چلو۔ ماں نے چپکارتے ہوئے جواب دیا: بیٹا! میدان کارزار میں بچوں کو نہیں لے جاتے۔ وہاں تو شمشیر کی نوک سے دشمن کی صفیں لٹنے کے لیے جوانوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہاں سروں پر چمکتی

ہوئی تلواروں کی بجلیاں گرتی ہیں، وہاں نیزوں سے کفر کے جگر میں شگاف ڈالا جاتا ہے۔ میرے لال! وہ قتل و خون کی سرزمین ہے تم وہاں جا کر کیا کرو گے؟

بچے نے ضد کرتے ہوئے کہا کہ یہ ٹھیک ہے کہ اپنی کمسنی کے باعث ہم میدان کارزار میں جانے کے قابل نہیں ہیں لیکن بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضری کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔ ہماری قربانی سرکار نے قبول فرمائی تو زہے نصیب اور اگر بچہ سمجھ کر واپس کر دیا تو کم از کم اس کا تو غم نہیں رہے گا کہ اسلام کے لیے جان کی نذر پیش کرنے سے ہم محروم رہ گئے۔ جان چھوٹی ہو یا بڑی بہر حال جان ہے اور جان ہونے کی حیثیت سے دونوں کی قیمت میں کوئی فرق نہیں۔

ماں نے فرط محبت میں بچے کا منہ چوم لیا اور حیرت سے منہ تکتے لگی کہ اس کمسنی میں داناؤں جیسا شعور صرف اس رحمت خاص کا صدقہ ہے جو یتیموں کی نگران ہے۔

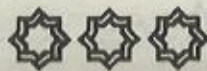
سپیدہ سحر نمودار ہو چکا تھا، جلوہ زیبا کے پروانے آنکھوں میں خمار شوق لیے مسجد نبوی کی طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ درد آشنا دلوں کے لیے رات کا لمحہ فراق بھی طویل مدت کی طرح بوجھل ہو گیا تو حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے خورشید کی پہلی کرن کے نظارہ کے لیے ہر نگاہ اشتیاق آرزو کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ نماز فجر کے بعد مسجد نبوی کے میدان میں مجاہدین کی قطاریں کھڑی ہو گئیں۔ جو نو جوان محاذ جنگ پر جانے کے قابل تھے انہیں لے لیا گیا اور باقی لوٹا دیے گئے۔ انتخاب کے کام سے فارغ ہو کر سر کا ﷺ واپس تشریف لا رہے تھے کہ ایک پردہ نشین خاتون پر نظر پڑی جو چھ سال کا ایک بچہ لیے کنارے کھڑی تھی۔ سر کا ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا اس خاتون سے جا کر دریافت کرو کہ وہ بارگاہ رحمت میں کیا فریاد لے کر آئی ہے؟

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے قریب جا کر نہایت ادب سے پوچھا۔ دربار رسالت ﷺ میں آپ کیا فریاد لے کر حاضر ہوئی ہیں؟ خاتون نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا ”آج رات کے پچھلے پہر آپ اعلان کرتے ہوئے میرے گھر کے سامنے گزرے۔ اعلان سن کر میرا دل تڑپ اٹھا

میرے گھر میں کوئی جوان نہیں تھا جس کے خون کی اسلام کی بارگاہ میں نذر پیش کرتی۔ چھ سالہ یہ یتیم بچہ ہے جس کا باپ گزشتہ سال جنگ بدر میں جام شہادت سے سیراب ہوا۔ یہی کل میری متاع زندگی ہے جسے سر کا ﷺ کے قدموں پر نثار کرنے لائی ہوں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بچے کو گود میں اٹھا لیا اور سر کا ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے سارا ماجرہ کہہ سنایا۔ سر کا ﷺ نے بچے کو آغوش رحمت میں جگہ دی۔ سر پر ہاتھ پھیرا، پیار کیا اور نہایت شفقت کے ساتھ ارشاد فرمایا: میری رحمتوں کے محبوب شہزادے! تم ابھی کمسن ہو۔ محاذ جنگ پر جوانوں کی ضرورت پڑتی ہے ابھی تم اپنی ماں کی آغوش میں پلو بڑھو اور گلشن اسلام کی بہار نو جب تمہارے بازوؤں میں کس بل پیدا ہو جائے گا تو میدان جنگ تمہیں خود آواز دے گا۔

بچے نے اپنی تلتاتی ہوئی زبان میں کہا: یا رسول اللہ! میں نے اپنی امی جان کو دیکھا ہے کہ جب وہ چولہا جلاتی ہیں تو پہلے چھوٹے چھوٹے تنکوں کو سلگاتی ہیں۔ جب آگ دیکھنے لگتی ہے تو پھر موٹی موٹی لکڑیاں ڈالتی ہیں۔ یا رسول اللہ! میں جنگ کرنے کے قابل تو نہیں ہوں لیکن کیا میدان کارزار گرم کرنے کے لیے مجھ سے تنکوں کا بھی کام نہیں لیا جاسکتا۔ اگر آپ مجھے اپنے ہمراہ نہیں لے جاؤ گے تو میری امی روتے روتے ہلکان ہو جائیں گی۔ وہ اس غم میں ہر وقت روتی رہتی ہیں کہ آج میری گود میں بھی کوئی جوان بیٹا ہوتا تو میں بھی اسے اسلام کی نذر کر کے سر کا ﷺ کی خوشنودی کا اعزاز حاصل کرتی۔ بچے کا اپنی ننھی و تلتاتی زبان میں دل کے حوصلوں کا اظہار سارے مجمع پر رقت طاری کر گیا۔ سر کا ﷺ بھی فرط اثر سے آبدیدہ ہو گئے۔ حضرت بلال سے فرمایا کہ ”جا کر اس کی ماں سے کہہ دو کہ اس کی ننھی قربانی قبول ہو گئی۔ قیامت کے دن وہ غازیان اسلام کی ماؤں کی صفوں میں اٹھائی جائے گی۔ آج سے خدا کی ایک مقدس امانت سمجھ کر وہ بچے کی پرورش کا فرض انجام دے، خدا کے یہاں بال بال کا اجر محفوظ ہے۔“



دار الافتاء

تخذیر الناس کے حامیوں کا دھوکہ

مکرمی و معظمی حضرت غزالیؒ زماں علامہ کاظمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

سلام مسنونہ و معروض خدمت عالیہ میں ہے کہ جو حوالہ ”تخذیر الناس“ (مطبوعہ قاسمی پریس دیوبند) صفحہ ۲۸ پر مرقوم ہے کہ ”اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔“

اس کے مقابل عقیدہ اہل سنت جو کہ آپ کی تصنیف ”الحق المبین“ میں مرقوم ہے۔ ایک دیوبندی سے اس پر گفتگو ہوئی۔ اس نے اس میں یہ تاویل کی کہ ”خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا“ اس کا مطلب ہے کہ حضور خاتم النبیین ہی ہوں گے اور مدعی کا دعویٰ باطل ہوگا۔ جس طرح مشرکین شریک باری تعالیٰ مانتے تھے لیکن ان کے ماننے سے الوہیت الہیہ میں کچھ فرق نہیں آتا تھا۔ بقول دیوبندی اس سے حضور ﷺ کی فضیلت اور خاتمیت ثابت ہوتی ہے لہذا جوابی لفاظیہ ارسال خدمت ہے کہ برائے نوازش مسلک کی بہتری کے پیش نظر تفصیلی جواب سے سرفراز فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ دیوبندی کو مکمل جواب دیا جاسکے اور باقی عوام بھی مطمئن ہو سکیں۔

(المسنی)

منہاج (الص)

مدرسہ (الر) (العلی) حنفیہ مری رزق (ر) (لینتری)

الجواب مع الصواب

تخذیر کی عبارت میں جو تاویل کی گئی ہے وہ قطعاً باطل و مردود ہے۔ مؤول (تاویل کرنے والے) کی تاویل سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ صاحب تذہیر کی یہ تمام گفتگو اثر سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو صحیح ماننے کی تقدیر پر ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر طبقہ زمین میں انبیاء علیہم السلام موجود ہیں۔ اس مضمون پر یہ اعتراض وارد ہوتا تھا کہ جب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں تو حضور ﷺ کے علاوہ کسی نبی کا وجود کسی طبقہ زمین میں حضور ﷺ کی خاتمیت کے منافی قرار پائے گا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے صاحب تذہیر نے کہا! ”بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی نبی تجویز کیا جائے۔“

اس پوری تفصیل اور عبارت منقولہ کو ذہن نشین کرنے کے بعد مؤول کی تاویل ملاحظہ فرمائیے! مؤول کہتا ہے: ”اس کا یہ مطلب ہے کہ حضور خاتم النبیین ہی رہیں گے اور مدعی کا دعویٰ باطل ہوگا۔“ چشم بد و رکبا نفسی تو جیہہ کی گئی ہے؟ مؤول صاحب نے صاحب تذہیر کی عبارت کو خود اس مسلک کے معارض و منافی قرار دے دیا۔ صاحب تذہیر تو اثر عبد اللہ بن عباس کو صحیح مان کر حضور ﷺ کے ماسوا دیگر انبیاء علیہم السلام کے وجود کو طبقات زمین میں تسلیم کرتا ہے۔ حتیٰ کہ بل اضر ایہ لاکر زمانہ نبوی ﷺ کے بعد بھی نبی کا وجود فرض کر کے خاتمیت محمد ﷺ میں فرق نہ آنے کا اقرار کر رہا ہے اور مؤول کہتا ہے کہ ”حضور خاتم النبیین ہی رہیں گے اور مدعی کا دعویٰ باطل ہوگا۔“

مؤول سے میں دریافت کرتا ہوں کہ تذہیر کی منقولہ بالا عبارت میں لفظ نبی سے جھوٹا مدعی نبوت مراد ہے یا سچا نبی؟ اگر سچا نبی مراد ہے تو مؤول اس کے دعویٰ نبوت کو باطل کہہ کر منکر نبوت ہوا اور اگر (معاذ اللہ) جھوٹا مدعی نبوت مراد ہے تو اس عبارت میں ”بالفرض“ کے کیا معنی ہوں گے؟ فرض تو ایسی چیز کو کیا جاتا ہے جو خلاف واقع ہو اور ظاہر ہے کہ بعد زمانہ نبوی ﷺ جھوٹے مدعیان نبوت کا

بکثرت پیدا ہونا امر واقع ہے۔ اسے بالفرض کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

معلوم ہوا کہ تاویل مذکور باطل و مردود ہے اور تخریر کی اس عبارت کا مطلب یہی ہے کہ اثر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق حضور ﷺ کے ماسوازمین کے ساتوں طبقوں میں انبیاء علیہم السلام کا پایا جانا حضور ﷺ کی خاتمیت کے منافی نہیں بلکہ ”اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔“

تاویل مذکور کے ذیل میں جو مثال پیش کی گئی ہے وہ بھی غلط اور بے محل ہے جس سے مؤول کی جہالت ثابت ہوتی ہے۔ وہ اتنی بات بھی نہیں سمجھ سکتا کہ مشرکین شریک باری تعالیٰ کے وجود کو بالفرض نہیں مانتے تھے یعنی وہ محض فرضی شریک کے قائل نہ تھے بلکہ اپنے زعم باطل میں واقعی شریک باری کے معتقد تھے۔ یہ صحیح ہے کہ خلاف واقعہ اعتقاد سے واقعہ کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ اگر کوئی شخص دن کو رات کہہ دے تو دن کی روشنی رات کی تاریکی میں نہیں بدل سکتی۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے لیے شریک ماننے سے اس کی توحید میں فرق نہیں پڑ سکتا لیکن یہاں مشرکین کے شریک باری ماننے اور خلاف واقعہ اعتقاد رکھنے سے بحث نہیں۔ گفتگو اس بات میں ہے کہ اگر باری تعالیٰ کے لیے شریک فرض کر لیا جائے تو اس کی توحید میں فرق آئے گا یا نہیں؟ میں عرض کروں گا کہ ضرور فرق آئے گا کیونکہ شریک باری محال ہے اور فرض محال محال کو مستلزم ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص شریک باری کو فرض کرے گا تو اس کے قول پر (معاذ اللہ) توحید باری کا بطلان ضرور لازم آئے گا۔ مثلاً ہم کہیں کہ خدا ایک ہے اگر بالفرض دوسرا خدا پایا جائے تو ایک کی بجائے دو خدا ہو جائیں گے جو محال ہے۔ مستلزم محال یقیناً محال ہوتا ہے لہذا دوسرے خدا کا پایا جانا محال ہے۔

خوب یاد رکھیے! جس چیز کے فرض کرنے میں کوئی محال لازم نہ آئے وہ محال نہیں۔ اگر بقول مؤول شریک باری فرض کرنے سے توحید باری میں کچھ فرق نہ آئے تو شریک باری محال نہیں ہو سکتا۔ لہذا اگر کسی کے نزدیک شریک باری فرض کرنے سے توحید باری میں فرق نہیں آتا تو سمجھ لیجئے

کہ وہ شریک باری کو ممکن سمجھتا ہے اور شریک باری کو ممکن سمجھنا لود شرک ہے۔

اس تقریر سے مؤول کی تاویل اور عبارت تخریر کا بطلان واضح ہو گیا۔ اس کی التعلیل یہ ہے کہ آیت کریمہ ﴿وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ﴾ کی رو سے بعد زمانہ نبوی ﷺ کی کاپیدا ہونا محال ہے۔ اگر بالفرض یہ محال واقع ہو جائے تو خاتمیت محمدیہ میں ضرور فرق آئے گا اور خاتمیت محمدیہ میں فرق آنا محال ہے لہذا بعد زمانہ نبوی کسی نبی کا پیدا ہونا محال ہے۔ اس کے برخلاف صاحب تخریر کا یہ کہنا کہ ”اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدیہ میں کچھ فرق نہ آئے گا۔“ اس امر کی روشن دلیل ہے کہ وہ حضور ﷺ کے بعد نبی پیدا ہونے کو جائز مانتا ہے جو امت مسلمہ کے نزدیک محال اور باطل محض ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح شریک باری فرض کرنے سے توحید باری میں فرق آنا اس بات کی دلیل ہے کہ شریک باری محال ہے اسی طرح حضور ﷺ کے بعد کسی نبی کی پیدائش فرض کرنے سے حضور ﷺ کی خاتمیت میں فرق آنا اس بات کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کسی نبی کا پیدا ہونا ممکن نہیں۔

جو شخص شریک باری فرض کرنے کو توحید باری کے منافی نہیں سمجھتا وہ توحید کا قائل نہیں اور جو حضور ﷺ کے بعد نبی کی پیدائش فرض کرنے کو حضور ﷺ کی خاتمیت کے خلاف نہیں جانتا وہ ختم نبوت کا معتقد نہیں۔ توحید باری اور ختم نبوت پر اسی شخص کا ایمان ہے جو شریک باری فرض کرنے کو توحید کے منافی جانتا ہے اور حضور ﷺ کے بعد نبی کی پیدائش فرض کرنے کو ختم نبوت کے خلاف مانتا ہے۔ امید ہے کہ اس بیان کو پڑھ کر آپ مطمئن ہو جائیں گے اور اگر خدا نخواستہ کوئی خلجان باقی رہے تو مطلع فرمائیں ان شاء اللہ مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔

واللہ تعالیٰ در سولہ (و علیہ بالصواب)



﴿میجر (ر) فتح محمد واہ کینٹ﴾

براہ کرم آپ مجھے پہلا شمارہ ارسال کر دیں۔ دوسرے شمارے میں فدا یان ختم نبوت کا آپ نے خوبصورت، بامعنی اور مختصر انداز میں تعارف کروایا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے متعلق مضمون سے میں نے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے متعلق مضمون ہر محبت وطن پاکستانی کی آواز ہے۔ عنقریب میں بھی اسی عنوان پر آپ کو ایک مضمون ارسال کروں گا۔

سرسید کے متعلق میجر (ر) امیر افضل صاحب کا مضمون انتہائی چونکا دینے والے انکشافات پر مشتمل تھا۔ میجر صاحب میرے پرانے کرم فرمایاں۔ اس مضمون کو میں نے بار بار پڑھا لیکن اسے ماننے کو دل نہیں چاہا بالآخر مکتوبات سرسید کی مذکورہ عبارت کو جب اصل کتاب میں دیکھا تو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ میجر صاحب اور آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔



﴿باقی حصہ: انٹرویو﴾

☆ دعوت و اصلاح کے لیے کون سا اسلوب زیادہ مؤثر ہے؟

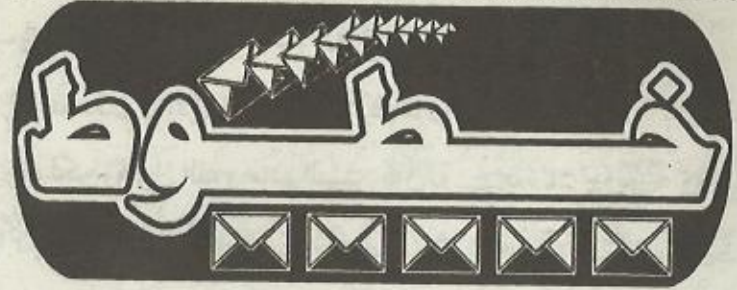
● اپنے اسلاف کا جس میں دلائل و براہین ہوں، الفت و محبت کی چاشنی ہو اور اغیار پر حملہ و دفاع ہو۔

☆ قارئین ”العاقب“ کے لیے کوئی پیغام

● مسئلہ ختم نبوت دین کی بنیاد اور اکائی ہے لہذا جس قدر یہ مسئلہ حساس اور اہمیت کا حامل ہے اسی قدر ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ منکرین ختم نبوت کی ریشہ دوانیوں سے ملک و ملت کو محفوظ رکھنے کے لیے اپنی تمام تر توانائیوں کو بروئے کار لایا جائے۔ امت مسلمہ اپنے عزائم و حوصلے بلند رکھے اور مایوسی کو قریب نہ آنے دے کیونکہ ان شاء اللہ وہ وقت دور نہیں جب اسلام کا دور پھر آئے گا۔

۔ نکل کر صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا

سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے کہ وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا



﴿محمد رضوان، ریسرچ اسکالر جامعہ پنجاب (پنجاب یونیورسٹی)﴾

سہ ماہی العاقب کو ہر اعتبار سے مفید پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ تمام حضرات کی عمر میں خیر و برکت عطا فرمائے۔ اس رسالہ میں دو تین باتوں پر اپنا نقطہ نظر بیان کرنا چاہتا ہوں۔

● حزب اختلاف کی جانب سے قومی اسمبلی میں پیش کی گئی قرارداد واقعی تاریخی حیثیت کی حامل ہے۔ خصوصاً اراکین اسمبلی کے دستخط خاصے کی چیز ہیں۔ اگر ممکن ہو تو باقی ارکان کے دستخط بھی شائع فرمائیں۔

● صدر اور وزیر اعظم کے حلف ناموں کی طرح دیگر محکموں میں ختم نبوت کے متعلق درج حلف ناموں کو بھی ضرور شامل اشاعت کریں۔

● حضرت فاضل بریلوی کے متعلق ڈاکٹر خالق داد ملک اور سید قمر زیدی سے سنا تو ضرور تھا لیکن عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ میں ان کے کردار کو پڑھ کر وسط حیرت میں مبتلا ہو گیا کہ برصغیر کے اس عظیم مجاہد کو کیسے تاریخ میں پس پشت ڈالا گیا ہے۔

الحمد للہ مجھے مطالعہ کی شروع سے ہی عادت ہے۔ آج پہلی مرتبہ اپنا خط کسی رسالہ کو بھیج رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اسے شائع کرتے ہوئے مایوس نہیں کریں گے۔

جواب: لیجیے! آپ کی فرمائش تو پوری ہوگئی۔ ● قرارداد پر جتنے دستخط شائع کیے گئے ہیں انہیں ہی غنیمت تصور فرمائیں۔ ● ختم نبوت پر مشتمل حلف ناموں کو عنقریب شامل اشاعت کرنے کا عمل پہلے ہی زیر تکمیل ہے۔ ● اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے روشن کردار کو کوئی ختم نہیں کر سکتا فقط ضرورت حکمت عملی سے جہد مسلسل کی ہے۔

اسلام

سوال: قادیانی کتب احادیث نبویہ ﷺ کے مقابلہ میں کس کتاب کو ”کتاب حدیث“ کا درجہ دیتے ہیں؟

جواب: دجال قادیان مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر احمد (ایم اے) کی تصنیف ”سیرت المہدی“ کو حدیث کی کتاب کا درجہ دیتے ہیں۔

سوال: مرزا قادیانی نے عمر بھر کتنے حج و عمرے ادا کیے؟

جواب: ایک بھی نہیں چونکہ انگریزی نبی کو ساری زندگی مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی حاضری نصیب نہیں ہوئی۔ (ویسے بھی کافر و زندیق کا حج و عمرہ کیسا؟) اسی نفث (شرمندگی) کو مٹانے کے لیے مرزا قادیانی نے اپنی جنم بھوی ”قادیان“ کی سیر کو فلی حج کے برابر قرار دیا تھا۔ ۱۔

نوٹ: اس وقت حرمین شریفین میں کسی بھی گستاخ مرزائی / قادیانی کا داخلہ قانوناً قطعاً ممنوع ہے۔

سوال: مرزا قادیانی پر کون سے نام نہاد فرشتے انگریزی وحی (احکام) لانے پر معذور تھے؟

جواب: ٹیچی ٹیچی، درشی، خیراتی، ٹھن لال، شیر علی، حفیظ اور رانی وغیرہ ۲۔

سوال: مرزائیوں / قادیانیوں نے ہجری و عیسوی سال کے مقابلہ میں اپنا سال ترتیب دیا ہے وہ کن مہینوں پر مشتمل ہے؟

جواب: صلح، تبلیغ، امان، شہادت، ہجرت، احسان، وفا، ظہور، تبوک، اخاء، نبوت، فتح

قادیانیت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی

اور

واپس حضرت صوفی ایاز خان نیازی

کی قائم کردہ مجاہدین ختم نبوت پر مشتمل تنظیم

فدا یان ختم نبوت

اشاعت اسلام خصوصاً تحفظ ختم نبوت کے لیے میدانِ عمل میں ہے۔ 1973ء میں قائم کردہ ”تنظیم فدا یان ختم نبوت“ کی 1995ء میں ”تحریک فدا یان ختم نبوت“ کے نام سے تنظیم نو کی گئی۔ 2000ء میں ”تحریک فدا یان ختم نبوت“ اور ”تحریک تحفظ ختم نبوت“ کو ختم کر کے موجودہ تنظیم ”فدا یان ختم نبوت“ کی بنیاد رکھی گئی۔

اس وقت فدا یان ختم نبوت پاکستان کے مرکزی امیر، شیخ الحدیث حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی اور مرکزی ناظم اعلیٰ، خطیب پاکستان حضرت مولانا خان محمد قادری ہیں۔ ان حضرات کی با علم و عمل اور متحرک قیادت نے فدا یان ختم نبوت کو مقام ختم نبوت کے تحفظ کے لیے بہت جلد اہلسنت و جماعت کی مستند اور نمائندہ تنظیم بنایا ہے۔

فدا یان ختم نبوت کے جملہ عہدیداران کی جانب سے تمام مومنین کو اس قافلہ عشق و مستی میں شمولیت کی دعوت ہے کہ آئیں اور اہلسنت کی چنیدہ و با علم قیادت کے ساتھ تحفظ ختم نبوت کا علم تمام کرنی آخر الزمان ﷺ کی بارگاہ اقدس میں سرخرو ہو جائیں۔

آلہماقیب
الہامی
الہامی

خوشخبری

جنوری 2009ء / محرم الحرام 1430ھ سے

ماہنامہ آلہماقیب
الہامی

کی صورت میں

سہ ماہی العاقب کی جلد اول کے 3 شماروں اور
408 صفحات کی اشاعت کے بعد جنوری 2009ء
سے جلد دوم کا آغاز۔ ان شاء اللہ تعالیٰ جلد دوم کی ابتداء
سے العاقب ہر ماہ بعد شائع ہوگا۔